ماہنامہ

ترجمان القرآن

مارچ ۱۹۹۶

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ۔ لاہور (پاکستان)

جلد ۱۱۷ مارچ ۱۹۹۲ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۷ مارچ ۱۹۹۲ء رمضان ۱۴۱۲ھ عدد ۱

فہرست مضامین

رابطہ و ترسیل زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۲۳۳۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۳۴۳

فی پرچہ: ۱۲ روپے زر سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اشارات

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے جب ایک مہینے کے روزے ہر فرد پر فرض کرنا مطلوب ہوا' تو یہ بھی ضروری ہوا کہ اس مہینے کا تعین کر دیا جائے۔ اگر ہر شخص کو اختیار دے دیا جاتا کہ وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے کسی ایک مہینہ کے روزے رکھ لے' تو "عذرات اور بہانہ جوئی کا دروازہ کھل جاتا' امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا' اور اسلام کی یہ عظیم الشان عبادت گمنام ہو کر رہ جاتی"۔ پھر جب ایک مہینہ کا تعین ضروری ہوا تو اس مقصد کے لیے'

> اس مہینہ سے زیادہ حق کس کا ہو سکتا تھا جس مہینے میں قرآن نازل ہوا' ملتِ مصطفویؐ کو استحکام و غلبہ حاصل ہوا' اور جس میں شبِ قدر پائے جانے کا امکان غالب ہے۔

رمضان المبارک میں قرآن مجید نازل ہوا' اور اسی لیے اس مہینے کو روزے رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' اس امر کو خود قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ رمضان کی ایک مبارک رات تھی' قوی امکان ہے کہ آخری عشرہ کی کوئی طاق رات' اور طلوعِ سحر کا وقت' جب جبرئیل امین ہدایتِ الٰہی کے نور کی پہلی کرن لے کر غارِ حرا میں داخل ہوئے اور نورِ قرآن سے قلبِ محمدیؐ کو منور کر دیا۔ اس طرح ملتِ مصطفویؐ کا بیج بو دیا گیا' امتِ مسلمہ کی بنا رکھ دی گئی' حیاتِ انسانی کی سحر کے طلوع کا سامان ہو گیا' اور افق عالم پر صبحِ نو کی پہلی روشنی نمودار ہو گئی۔ رمضان میں نزولِ قرآن کا یہ دن حیاتِ ملّی کا سب سے اہم اور مبارک دن ہے کہ اسی دن ملت کو وجود بخشا گیا' ملت کے جسد میں روح پھونکی گئی' اس کا مقصدِ حیات مقرر کر دیا گیا' اور اس کے عروج و زوال کے سارے اسرار اس پر نازل کر دیے گئے۔

مگر اس بات کا ادراک کم لوگوں کو ہے کہ روزوں کے اس مہینے ہی میں حیاتِ ملّی کے وہ دو

اہم واقعات پیش آئے' وہ دو سنگِ میل نصب کیے گئے' وہ دو باب لکھے گئے' جنھوں نے حرا کے پیغام کی حقیقت عیاں کر دی' اس کی تشکیل اور صورت گری مکمل کر دی' کلامِ الٰہی کے ننھے سے بیج کو ایک ایسا تن آور اور ثمربار شجر بنا دیا جس کی جڑیں آج تک نہیں ہلائی جا سکیں اور جس کی شاخیں صدیوں تک عالمِ انسانی کے اوپر سایہ کیے رہیں' اور آج بھی کیے ہوئے ہیں۔ ان دو تاریخی واقعات نے امتِ محمدیہ کو وسعت و استحکام عطا کیا' خوف کو امن سے' ضعف کو قوت سے' مغلوبیت کو تمکین سے بدل دیا' اور مستضعفین کو مشارق الارض و مغاربھا میں استخلاف و امامت کے منصب پر فائز کر دیا۔ ایک واقعہ جنگِ بدر کا' اور دوسرا فتحِ مکہ کا۔ اسی لیے شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ رمضان روزوں کے لیے اس لیے ہی مخصوص کیا گیا کہ اس ماہ میں "ملتِ مصطفویؐ کو استحکام و غلبہ حاصل ہوا۔"

یہ رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی جب ندائے حرا پر لبیک کہنے والے' حاملِ قرآنؐ کا ہاتھ تھام لینے والے' اور اس جرم میں اپنے گھروں سے نکالے جانے والے بدر کے میدانِ جنگ میں قرآن اور حاملِ قرآنؐ کے مخالفین و معاندین کے مقابلے میں فتحیاب ہوئے۔ قرآن خود فرقان ہے' یوم بدر یوم الفرقان بن گیا۔ یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ اِقْرَاْ اور قُمْ فَاَنْذِرْ کی راہ پر منزل تک پہنچنے کے لیے بدر کے معرکہ سے گزرنا ناگزیر ہے' اور یہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ فتح' زندگی اور غلبہ حق کا مقدر ہے' باطل کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

پھر یہ رمضان المبارک کی ۲۰ تاریخ تھی جب حق کو فتح مبین نصیب ہوئی' اور مکہ کہ جو ام القریٰ ہے' اور ام القریٰ میں واقع اللہ کا وہ پہلا گھر کہ جو سارے جہانوں کے لیے برکت و ہدایت کا مخزن و منبع ہے' بندگیٔ ربِ واحد کا مرکز بن گیا۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار ساتھی جہاں سے بے سرو سامانی کے عالم میں' ظلم و ایذا اور قتل کے منصوبوں کا شکار بنا کر نکالے گئے تھے' وہاں اس طرح داخل ہوئے کہ دشمن مغلوب تھے اور سارے خداوندانِ باطل سرنگوں۔

پھر جلد ہی ساری کی ساری بشارتیں پوری ہوئیں۔ ظلم و فساد کے آتش کدے بجھ گئے' اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر خدا بن کر بیٹھنے والوں کے استکبار اور جاہ و حشم کے محلات زمین بوس ہو گئے' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ماننے والے عرب و عجم کے مالک بن گئے' یکہ و تنہا عورت زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتی اور کوئی اس پر ٹیڑھی نظر ڈالنے کی جرات نہ کرتا' لوگ ہاتھ میں سونا لے کر نکلتے اور کوئی لینے والا نہ پاتے۔

آج' ہجرت کی پندرھویں صدی کے آغاز میں' امت جس نازک بحران سے گزر رہی ہے

اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے' اور مستقبل کے پردہ میں فلاح و کامرانی کے جو تابناک امکانات اور بشارتیں پوشیدہ ہیں ان کو زندہ حقیقت بنانے کے لیے' ہدایت و رہنمائی کا سارا سامان ان تین واقعات میں موجود ہے جو رمضان المبارک میں پیش آئے۔ آج کے لیے حکمتِ عملی' پالیسی' لائحہ عمل اور تدابیر وضع کرنا تو آج ہی کے لوگوں کا کام ہے' اور یہ سب آج کے زمانے کے مطابق ہی ہوں گی' لیکن دورِ آغاز کے یہ واقعات وہ منارۂ نور ہیں جن کی روشنی ہی میں یہ کام اس طرح ہو سکتا ہے کہ کامیابی سے ہم کنار کرے۔ اس امت کے ہر دور میں کامیابی و ترقی کا راز اسی راستے میں پوشیدہ ہے جس سے دورِ اوّل میں کامیابی و ترقی نصیب ہوئی۔ بڑی محرومی کی بات ہوگی اگر رمضان آئے اور گزر جائے' اور امت اپنے مستقبل کی صورت گری کے لیے وہ روشنی حاصل نہ کر سکے جو رمضان میں ہونے والے ان واقعات میں موجود ہے۔

اقرأ (پڑھو اور سناؤ) کے پیغام سے قرآن مجید کا نزول شروع ہوا' کارِ رسالت کا آغاز ہوا' اور امتِ مسلمہ وجود میں آئی۔ قرآن ہی اس امت کی روح ہے جس کے ساتھ اس کی حیات و موت وابستہ ہے' قرآن ہی اس کا مقصد و مشن ہے' مقاصد و مساعی کا مرکز و محور ہے' اور قرآن کے ساتھ اس کی روش ہی پر اس کے عروج یا زوال' عزت یا ذلت' اتحاد یا افتراق اور استحکام یا شکست و ریخت کا انحصار ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اسی لیے ہر سال ماہ رمضان میں پورے قرآن مجید کا سننا اور سنانا ضروری قرار پایا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی کتاب کو وہ مقام حاصل نہیں ہے' یہاں تک کہ انھیں بھی نہیں جنھیں کتاب الٰہی مانا جاتا ہے' جو مقام قرآن کو امت کی زندگی میں حاصل ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں بستی ہے' سینوں میں نقش ہے' زبانوں پر جاری رہتی ہے' رات دن اس کی تلاوت ہوتی ہے' ان گنت ختم ہوتے ہیں' رمضان میں ہر مسجد میں تلاوت و سماعت کا اہتمام ہوتا ہے' کروڑوں نسخے گردش میں ہیں' روزانہ ہزاروں مجالسِ درس ہوتی ہیں' تفاسیر کے انبار لگتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ اس سب کے باوجود' نہ امت کی ذلت عزت سے بدلتی ہے' نہ مسکنت قوت سے' نہ خوف امن سے' نہ افتراق اتحاد سے۔ اور پڑھنے والوں کے نہ دل کانپتے ہیں' نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں' نہ سوچ بدلتی ہے' نہ اخلاق بہتر ہوتے ہیں۔ کیا قرآن نے اپنی تاثیر کھو دی؟ یا قرآن کے ماننے والوں ہی نے' ساری

ظاہری وابستگی کے باوجود، قرآن کو کھو دیا؟ کہیں وہ قرآن کے اس قول کے مصداق تو نہیں ہو گئے کہ ''آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح سخت، بلکہ سختی میں ان سے بڑھے ہوئے'' (ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ)؟ اس سوال کا جواب دیے بغیر مستقبل کی کلید امت کے ہاتھوں میں نہیں آ سکتی۔

قرآن کی تاثیر ان ہی لوگوں کے لیے کارگر ہو سکتی ہے جو اس کو وہی مقام دیں جو اس کا حق ہے۔ تب ہی دعویٰ ایمان صحیح ہو سکتا ہے، تب ہی اس کے فیوض و برکات حاصل ہو سکتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ط اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ط

(البقرہ ۲:۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نعمتیں) دی ہیں یہ وہ ہیں، جو اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے۔ وہی اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

تلاوتِ قرآن کا حق یہ ہے کہ اللہ کا کلام دلوں کے اندر بھی حکمراں ہو، بازاروں، چوراہوں اور ایوانوں میں بھی۔ پرائیویٹ زندگی کا بھی رہنما اور امام ہو، پبلک زندگی کا بھی۔ قرآن ہی آرزو اور جستجو، فکر و سعی، تعلیم و تربیت، اور ثقافت و اجتماعیت کا مرکز و محور ہو۔ ان پڑھ اور پڑھے لکھے امیین کے درمیان قرآن کی تعلیم اتنی عام ہو کہ انھیں ہدایتِ الٰہی میں محض اپنے بے بنیاد خیالات اور آرزوؤں کا عکس نظر نہ آئے، اور علماء سُو اپنی من مانی تعبیر و تفسیر کو منشائے الٰہی کا مقام دینے میں کامیاب نہ ہوں۔

اتنا ہی بڑا حق تلاوتِ قرآن کا یہ بھی ہے کہ امت اس کو تمام انسانوں کو پڑھ کر سنائے (اِقْرَاْ)، دنیا بھر کو، اس کی تلاوت کر کے، اس کے پیغام سے آگاہ کر کے (اُتْلُ)، کافۃ الناس تک اس کو پہنچا دے، اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو (بلغ ما انزل)، کھڑی ہو جائے اور آگاہ کرے (قُمْ فَاَنْذِرْ)، اور اپنے قول و عمل سے اس کو جوں کا توں پہنچائے۔ ہدایتِ الٰہی کی امانت پانے کے معنی اپنے رب سے اسی مشن کا عہد و میثاق ہے۔ اس عہد و میثاق کو وفا کرنے کا انعام عزت و سربلندی ہے، نقضِ میثاق کا انجام لعنت، قساوتِ قلوب، اور ذلت اور مسکنت۔

اسی لیے حرا سے جس زندگی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے، اس کا اتمام ''فتح مکہ'' ہے، اور اس راہ میں ''بدر'' کا یوم الفرقان ناگزیر تھا، اور ہے۔ اس بارے میں آج کے مسلمانوں کو کوئی غلط فہمی ہو تو ہو، نہ اس دل میں کوئی شک و شبہ تھا جس پر جبریل امین قرآن نازل کر رہے تھے، صلی

اللہ علیہ وسلم' نہ ان کو جو اس قرآن کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے یا اس کو محض سننے والے تھے' یا جنہوں نے اس کی پکار پر لبیک کہہ دیا تھا۔ حیاتِ نبویؐ میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

حضورؐ حرا سے اتر کر آئے تو آپؐ لرز رہے تھے اور آپؐ کی زبان پر لقد خشیت علی نفسی (مجھے اپنی جان کا ڈر ہے) کے الفاظ تھے۔ بڑی کم فہمی ہوگی اگر سمجھا جائے کہ یہ "جان کا ڈر" ایک اجنبی مشاہدہ کا نتیجہ تھا' یہ تو مستقبل کے مراحل و منازل کا احساس تھا جس سے قلب و جسم مبارک کانپ رہے تھے۔ اس مستقبل کا احساس اور خبر آپؐ کی دعوت میں ہر وقت جلوہ گر رہی۔ آپؐ کلمہ کی دعوت دیتے تو یہ بشارت بھی موجود ہوتی کہ "یہ ایک کلمہ مجھ سے قبول کر لو' اس کے ذریعے تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔" ایک ایک سردارِ قبیلہ کے پاس جاتے اور فرماتے کہ مجھ پر ایمان لاؤ' مجھے اپنے ساتھ لے چلو' میرے کام میں میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ' یہاں تک کہ میں اس حق کو عیاں کر دوں جو اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جب ساتھی مٹھی بھر تھے' اور دہکتے انگاروں پر لٹائے جا رہے تھے' تب بھی آپؐ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں یہی فرما رہے تھے کہ "اللہ تعالیٰ ضرور میرے اس کام کو مرحلۂ تکمیل تک پہنچائے گا' یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔" عتبہ کی نگاہ نے بھی اس منزل کو دیکھ لیا تھا جو حرا کے پیغام میں مضمر تھی۔ اس نے مخالف سرداروں سے کہا کہ محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو' اگر اسے غلبہ حاصل ہو گیا تو "اس کا اقتدار تمہارا اقتدار ہوگا' اور اس کی طاقت و غلبہ تمہاری طاقت و غلبہ"۔ بنو عامر کے سردار بحیرہ بن فراس کی فراست نے بھی مستقبل میں پوشیدہ اس "حکومت و اقتدار" میں اپنا حصہ مانگ لیا تھا' جو دعوتِ قرآنی میں مضمر تھی۔ سفرِ ہجرت کی بے سرو سامانی کے عالم میں آپؐ نے تعاقب کرنے والے سراقہ کو کسریٰ کے کنگن عطا فرما دیے تھے۔ عقبہ کے مقام پر بیعت کرتے ہوئے انصار بھی ان منازل سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ "سرخ و سیاہ سے جنگ کا پیمان تھا"۔ اس میں "اشراف کی ہلاکت اور اموال کی تباہی" کے امکانات مضمر تھے۔

رمضان میں حرا سے جو کارواں چلا' اس نے رمضان ہی میں بدر کی منزل سر کی۔ بدر کے میدان میں ہماری امت کے اولین نے اپنی جاں نثاری سے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد اور فتح کی سرفرازی سے اس عہد و میثاق پر آخری مہر ثبت کر دی جس کی تکمیل کے لیے یہ امت وجود میں لائی گئی' جب رسولِ امتؐ نے بڑے پرسوز' بڑے قطعی' اور بڑے ناز و نیاز سے لبریز

الفاظ میں یوں فرمایا کہ

"خداوندا! اگر یہ چند جانیں آج ختم ہو گئیں تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہوگی"۔

بدر کے میدان میں چند جانوں ہی کو فتح اور زندگی نہیں بخشی گئی' بلکہ ایک عقیدہ اور تہذیب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی بخشی گئی۔ اور رہتی دنیا تک امت کی زندگی اور غلبے کو اس امر کے ساتھ مشروط کر دیا گیا کہ اس کے دم سے روئے زمین پر اللہ کی عبادت ہوتی رہے گی' اور نبوت محمدیؐ کی اس خصوصیت کا اظہار ہوتا رہے گا کہ "میرے لیے پوری زمین مسجد بنا دی گئی ہے"۔ بدر سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ "حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے' تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے" اور "جسے ہلاک ہونا ہو وہ دلیلِ روشن کے ساتھ ہلاک ہو' اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیلِ روشن کے ساتھ زندہ رہے" (سورۃ الانفال)

بدر کے یوم الفرقان سے کئی اہم حقیقتیں آشکار ہو گئیں' جن کو اپنے سامنے رکھنا آج امت کے لیے ناگزیر ہے۔

یہ حقیقت کہ عقیدوں' تہذیبوں اور قوموں کے درمیان معرکوں میں فتح و شکست کا انحصار تعداد اور مادی وسائل پر نہیں' بلکہ اپنے مقاصد سے وابستگی' وفاداری' جاں نثاری' قربانی اور استقامت پر ہے۔ امت کا مقصود و ہدف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی لیے' قرآن کی زبان میں' ایمان' تقویٰ اور صبر ہی وہ کنجیاں ہیں جن سے فتح و نصرت کے دروازے کھلتے ہیں' دشمنوں کے مکر و قوت کے تار و پود بکھر جاتے ہیں' فرشتے ہزاروں کی تعداد میں پشت پناہی کرتے ہیں' ایک' سو کے مقابلے میں اور دس' ہزار کے مقابلے میں بھاری ہو جاتے ہیں' قلتِ سامان و تعداد کے باوجود غلبہ نصیب ہوتا ہے' اور آسمان و زمین سے برکتوں کے دہانے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے سب سے بڑھ کر فکر ایمان' تقویٰ اور صبر کی کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت کہ' اخلاقی قوت کے ساتھ ساتھ' حسب استطاعت ہر قسم کی مادی قوت کا حصول اور دشمن کے مقابلے میں ہر قسم کے سازو سامان کی فراہمی بھی ضروری ہے' اور دل کھول کر خرچ کرنا بھی۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ "جہاں تک تمھارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو..... اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمھاری طرف پلٹایا جائے گا۔"

یہ حقیقت کہ دشمن کے خلاف معرکہ میں ثبات اور ذکرِالٰہی جتنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری

یہ ہے کہ افتراق و انتشار اور جھگڑوں سے پاک رہا جائے اور اتحاد و اتفاق ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے' ورنہ ایسی کمزوری پیدا ہوگی جس کا مداوا کسی صورت نہ ہوگا ' اور ایسی ہوا اکھڑے گی کہ پھر نہ بندھ سکے گی۔

یہ حقیقت کہ ایمان' ہجرت اور جہاد و نصرت ہی امت میں دوستی' تعاون' حمایت اور ولایت کے علاقوں کی بنیاد اور جواز ہیں۔ اگر کفار ولایت کے رشتوں میں منسلک ہوں' اور مسلمان نہ ہوں' تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر پھیل جائے گا' اور اس زہریلے جنگل کا سب سے زیادہ زہریلا اور خاردار حصہ اسی امت کے حصے میں آئے گا جس کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہاں تک کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔

یہ حقیقت کہ جو ایمان' ہجرت اور جہاد و نصرت کی زندگی اختیار کریں گے "وہی سچے مومن ہیں"۔ ایمان و جہاد کی دعوت ہی میں ملت کی زندگی مضمر ہے۔ اللہ اور رسولؐ جس چیز کی طرف بلاتے ہیں اسی میں عزت' قوت اور غلبے کی زندگی کا راز ہے۔

آج امت اپنی تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہی ہے' اس میں کامیابی کی کوئی راہ ان حقیقتوں سے گریز کرکے نہیں کھل سکتی۔ عام مسلمان ہوں' اسلام کے علم بردار ہوں' مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیڈر ہوں' حکمراں ہوں' سب کو رمضان کے اس مبارک مہینے میں اپنے اندر اور مسلمان ملت میں' ان حقائق کی روح پھونکنے کا عزم کر لینا چاہیے۔ یہی راہ "فتح مکہ" کی منزل تک لے جاسکتی ہے۔

"فتح مکہ" کی منزل تک پہنچنے کے لیے کچھ مزید زادِراہ بھی ناگزیر ہے' جس سے آج بدقسمتی سے امت تہی دامن ہے۔ خاص طور پر' ایک محکم اور حکیمانہ حکمتِ عملی' دوسرے رحمت و شفقت اور عفو و درگزر' اپنوں سے بھی پیار' دشمنوں سے بھی پیار' کہ محبت ہی فاتح عالم ہے۔

محکم اور حکیمانہ حکمتِ علمی کے معنی یہ ہیں کہ جہاں جھکنا سود مند ہو وہاں جھک جائیں' جہاں آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا ضروری ہو وہاں جم جائیں' جہاں محاذ آرائی سے راستہ بنتا ہو وہاں مردوں کی طرح لڑ جائیں۔ کبھی اپنے عزائم خفیہ رکھیں' کبھی ان کا اعلان کریں۔ کبھی خندق کھودیں' کبھی خود حملہ آور ہو جائیں۔ کبھی صلح کرلیں' کبھی معاہدے منہ پر مار دیں۔

عفو و رحم کس طرح فتح مبین میں بدل جاتی ہے' اس کی بہترین جھلک فتح مکہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضورؐ نے فتح کے دن کو بر و وفا کا دن بنا دیا۔ فاتحانہ پالیسی عفو و رحمت سے ترتیب دی۔ ابوسفیان' اس کی بیوی ہندہ' حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی' ابوجہل کے بیٹے عکرمہ' عبداللہ

بن سعد بن ابی سرح جو مرتد ہو گئے تھے' ہبار بن الاسود جس نے بنت رسول حضرت زینبؓ کا حمل ساقط کر دیا تھا--- اور ان جیسے دیگر بے شمار دشمنوں کو رحمتہ للعالمین کے عفو و رحمت کے سایہ نے ڈھانپ لیا۔ اسی عفو و رحمت نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کی ایک فاش غلطی کو بھی سمیٹ لیا' جب انہوں نے حضورؐ کے فتح مکہ کے منصوبوں سے اپنے اعزا و اقربا کو ایک خط کے ذریعے مطلع کرنا چاہا۔ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک' یہی رحمت و شفقت اور عفو و محبت تھی کہ جس نے مکہ بھی مسخر کر لیا' اہل مکہ کو بھی۔ دشمن کی اپنی صفیں منتشر ہو گئیں' ان کی فصیلوں میں شگاف پڑ گئے' کشت و خون کے بغیر عرب کے مرکز پر اسلام غالب آگیا۔ یہی دشمن جگری دوست بن گئے' انہوں نے ہی ۳۰ سال کے عرصہ میں گرد و پیش کی ساری متمدن دنیا کو' اٹلانٹک کے ساحل تک' اللہ واحد اور اس کے پیغمبرؐ کے نام اور پیغام سے معمور کر دیا۔

ہے کیا آج ہمارے معرکہ آراؤں میں یہ حکمتِ عملی' اور یہ عفو و رحمت؟

رمضان کا مہینہ قرآن کا مہینہ ہے۔ قرآن کو مشن و مقصد اور زندگی میں حکمراں بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا ہوگا۔ اور کرنا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ حیاتِ اجتماعی' ریاست اور قانون کے دائروں میں کار فرما قوتوں سے جو کچھ اور جتنا کچھ کرایا جا سکتا ہو' اس کے لیے بھرپور جدوجہد جاری رکھی جائے۔ لیکن اتنا ہی' بلکہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم اور فہم کو عام کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے سربراہ' حکومتی ادارے' تعلیم گاہیں' غیر سرکاری ادارے' اور افراد نجی طور پر وہ سب کچھ کریں جو وہ کر سکتے ہوں۔ کچھ اقدامات بسہولت کیے جا سکتے ہیں' اور دور رس نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔

- ہر آدمی جو پڑھ سکتا ہو' اس رمضان المبارک سے یہ عہد کرے' اور اس پر عمل شروع کر دے' کہ وہ روزانہ کم سے کم تین آیات یا جتنا زیادہ ممکن ہو' ضرور ترجمہ سے پڑھے گا۔ یہ کام آج شروع ہو گا تو دو' چار' چھ سال میں مکمل ہو جائے گا۔
- تمام تعلیمی اداروں میں قرآن مجید باترجمہ پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ اس کا امتحان بھی رکھا جائے۔ اس کے نتائج کو امتحانی نتائج میں اسی طرح' بلکہ اس سے زیادہ' وزن دیا جائے جتنا دوسرے مضامین کو دیا جاتا ہے۔
- سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں بھی قرآن مجید کے کچھ حصے باترجمہ پڑھنا لازمی قرار دیا جائے۔ ممکن ہو تو اس کے لیے مالی ترغیب دی جائے۔

○ سرکاری ملازمتوں کے لیے مقابلے کے سارے امتحانات میں بھی قرآن مجید کے ترجمے کا امتحان لازم کر دیا جائے۔

○ ابلاغِ عامہ کے ذرائع' ٹیلی وژن' ریڈیو' اخبارات سب اپنے وقت اور صفحات کا ایک حصہ قرآن مجید کے ترجمے کی تعلیم کے لیے مخصوص کر دیں۔

○ محلوں میں' دیہاتوں میں' مساجد میں' اور پبلک اداروں اور عمارات میں بھی قرآن مجید کے ترجمے کی تعلیم کے انتظامات کیے جائیں۔

○ اساتذہ اور دیگر تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھانے کی تربیت دی جائے۔ اساتذہ اور سرکاری ملازموں کو فارغ اوقات میں کلاسیں لینے کی ترغیب دی جائے' اور ممکن ہو تو مالی معاوضہ بھی دیا جائے۔

اس طرح حکومت' غیر سرکاری ادارے' افراد سب مل کر پوری قوم میں قرآن پڑھنے اور قرآن کو سمجھنے کی ایک لہر پیدا کر دیں۔ یہ لہر بہت سا خس و خاشاک' ملبہ' اور گندگیوں کو بہا کر لے جائے گی۔

قوم کا تعلق قرآن سے قائم ہو جائے گا تو ایمان قوی ہوگا' سوچ درست ہوگی' عمل کی اصلاح ہوگی' جہاد کی صلاحیت پیدا ہوگی' اور "بدر" اور "فتح مکہ" کی منازل تک پہنچنے کی راہیں کھلیں گی۔

بقیہ: روزہ اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے اور دریافت فرماتے کہ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے۔ اگر جواب انکار میں ملتا تو فرماتے پھر آج میرا روزہ ہے۔ چنانچہ دن کے وقت نفل روزے کی نیت کر لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ نفل روزے کی نیت کر لیتے' بعد میں حضرت عائشہؓ فرماتیں کہ فلاں چیز پکی ہے تو آپؐ افطار کر لیتے۔ پہلی روایت صحیح مسلم میں ہے' دوسری روایت نسائی میں ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اور حفصہؓ روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا' ہمارا جی چاہا' ہم نے اس میں سے کھا لیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حفصہؓ نے آپؐ کے پاس مجھ سے پہلے جا کر پوچھا' اے اللہ کے رسولؐ! ہم دونوں روزے سے تھے۔ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا' ہمارا جی چاہا' ہم نے کھانا کھا لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بدلے میں کسی دن قضا کر لینا۔

(زاد المعاد' جلد اول' مترجمہ انیس احمد جعفری ترتیب: خرم مراد)

حکمتِ مودودیؒ

صالح فرد اور اجتماع کی تشکیل میں روزے کا کردار

اسلام میں مراسم عبادت کی حیثیت

اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے' اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے' اس کا عبد یعنی بندہ بن کر رہے' اور بندہ بن کر رہنے ہی کا نام عبادت ہے۔ کہنے کو تو یہ چھوٹی سی بات ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ اسے زبان سے ادا کردیا جاسکتا ہے' مگر عملاً آدمی کی ساری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادت بن جانا آسان کام نہیں' اس کے لیے بڑی زبردست ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خاص طور پر ذہن کی تربیت کی جائے۔ مضبوط کیریکٹر پیدا کیا جائے ۔ عادات اور خصائل کو ایک سانچے میں ڈھالا جائے' اور صرف انفرادی سیرت ہی کی تعمیر پر اکتفا نہ کرلیا جائے' بلکہ ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جو بڑے پیمانہ پر افراد کو اس عبادت کے لیے تیار کرنے والا ہو' اور جس میں جماعت کی طاقت فرد کی پشت پناہ' اس کی مددگار اور اس کی کمزوریوں کی تلافی کرنے والی ہو۔ یہی غرض ہے جس کے لیے اسلام میں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی عبادتیں فرض کی گئی ہیں۔ ان کو عبادت کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہی عبادت ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس اصلی عبادت کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہیں۔ یہ اس کے لیے لازمی ٹریننگ کورس ہیں۔ انہی سے وہ مخصوص ذہنیت بنتی ہے' اس خاص کیرکٹر کی تشکیل ہوتی ہے' منظم عادات و خصائل کا وہ پختہ سانچہ بنتا ہے' اور اس اجتماعی نظام کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں جس کے بغیر انسان کی زندگی کسی طرح عبادتِ الٰہی میں تبدیل نہیں ہوسکتی۔ ان چار چیزوں کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ مقصد حاصل ہوسکے۔ اسی بنا پر ان کو ارکانِ اسلام قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ وہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت قائم ہوتی اور

قائم رہتی ہے۔

روزہ، غیر معمولی نظامِ تربیت

زکوٰۃ اور حج کی طرح روزہ ایک مستقل جداگانہ نوعیت رکھنے والا رکن نہیں ہے بلکہ دراصل اس کا مزاج قریب قریب وہی ہے جو رکنِ صلوٰۃ کا ہے اور اسے رکنِ صلوٰۃ کے مددگار اور معاون ہی کی حیثیت سے لگایا گیا ہے۔ اس کا کام انھی اثرات کو زیادہ تیز اور زیادہ مستحکم کرنا ہے جو نماز سے انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ نماز روزمرہ کا معمولی نظامِ تربیت ہے جو روز پانچ وقت تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے آدمی کو اپنے اثر میں لیتا ہے اور تعلیم و تربیت کی ہلکی ہلکی خوراکیں دے کر چھوڑ دیتا ہے اور روزہ سال بھر میں ایک مہینہ کا غیر معمولی نظام تربیت (Special Training Course) ہے جو آدمی کو تقریباً ۷۲۰ گھنٹہ تک مسلسل اپنے مضبوط ڈسپلن کے شکنجہ میں کسے رکھتا ہے تاکہ روزانہ کی معمولی تربیت میں جو اثرات خفیف تھے وہ شدید ہو جائیں۔

تربیتِ افراد کا ہمہ گیر انتظام

اسلام کا اصل مقصد صالحین کی ایسی جماعت بنانا ہے جو انسانی تمدن کو خیر و صلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرے۔ مگر اس غرض کے لیے وہ صرف اجتماعی اصول وضع کرنے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک نظامِ تمدن بنا دینے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ساتھ ساتھ اپنے جماعتی نظام کے لیے افراد کو تیار کرنے کا بھی انتظام کرتا ہے تاکہ جماعت (سوسائٹی) جن افراد پر مشتمل ہو ان میں کا ایک ایک شخص اپنے خیالات، اپنی سیرت اور اپنے کردار کے لحاظ سے اس نظام کے ساتھ بیش از بیش موافقت رکھتا ہو، اور باغیانہ میلانات کے ساتھ مجبورانہ اطاعت کرنے کے بجائے اپنے نفس و روح کی پوری آمادگی، اپنے دل و دماغ کے مخلصانہ عقیدے، اور اپنی سیرت کی ذاتی قوت کے ساتھ اس کی پیروی کرے۔

اس اسکیم میں روزے کے رکن سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ اس تربیت کے ذریعہ سے جماعت کے ہر فرد کو خداوندِ عالم کی حاکمیت کے مقابلہ میں خود مختاری سے عمداً دست بردار ہو جانے کے لیے تیار کیا جائے، تا آنکہ وہ اپنی پوری زندگی کو الٰہی قانون کے تابع کر دے۔

۲۔ ہر فرد کے ذہن میں خدا کے عالم الغیب و الشہادہ ہونے کا اور آخرت کی باز پرس کا عقیدہ عملی مشق و تمرین کے ذریعہ سے اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی شخصی ذمہ داری کے احساس کی بنا پر' نہ کہ کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے' قانونِ الٰہی کی خفیہ اور اعلانیہ اطاعت کرنے لگے۔

۳۔ ہر فرد کے اندر یہ روح پھونک دی جائے کہ وہ ماسوا اللہ کی بندگی و اطاعت سے اعتقاداً" و عملاً منکر ہو جائے اور اس کی بندگی اللہ کے لیے اس طرح خالص ہوجائے کہ جس حکم یا جس قانون یا جس اقتدار کے لیے اس کی طرف سے کوئی سند نہ ہو' اس کی اطاعت کے لیے فردِ مومن کے نفس میں کوئی آمادگی بھی نہ ہو۔

۴۔ ہر فرد کی اخلاقی تربیت اس طور پر کی جائے کہ اسے اپنی خواہشات پر عملاً پورا اقتدار حاصل ہو' وہ اپنے نفس و جسم کی تمام قوتوں پر اتنا قابو رکھتا ہو کہ اپنے عقیدے اور علم و بصیرت کے مطابق ان سے کام لے سکے۔ اس میں صبر' تحمل' جفاکشی' توکل علی اللہ اور ثابت قدمی و یکسوئی کی صفات پیدا ہوجائیں اور اس کے کیرکٹر میں اتنی قوت آجائے کہ وہ خارجی ترغیبات اور اپنے نفس کے ناجائز میلانات کا مقابلہ کرسکے۔

یہی وہ مقاصد ہیں جن کے لیے اسلام نے رمضان کے روزے ہر اس شخص پر فرض کیے ہیں جو اسلامی جماعت کا رکن ہو۔ کوئی عاقل و بالغ فرد' خواہ وہ عورت ہو یا مرد' اس فریضہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بیماری' سفر اور بعض دوسرے شرعی عذرات کی بنا پر کوئی شخص اس فرض کو ادا نہ کرسکتا ہو تو اس پر قضا یا فدیہ لازم ہے۔ بہرحال اسلام کے دائرے میں رہ کر کوئی انسان روزے کی فرضیت سے چھوٹتا نہیں ہے۔

> اگرچہ یہ لازم نہیں کہ روزے کی تربیت سے تمام افراد کے اندر وہ خصوصیات بدرجۂ اتم پیدا ہو جائیں جو اس سے پیدا کرنی مطلوب ہیں' کیونکہ ان کی پیدائش اور تکمیل کے لیے خود تربیت لینے والے میں ذاتی استعداد بھی ضروری ہے' لیکن بجائے خود اس نظامِ تربیت کی فطرت میں یہ خاصہ موجود ہے کہ اس سے یہ خصوصیات انسان میں پیدا ہوں اور ان خصوصیات کو پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر' بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا نظامِ تربیت تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص صداقت پسندی کی نظر سے دیکھے تو اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جس نے افراد کو تیار کرنے کا اتنا

وسیع و ہمہ گیر انتظام کیا ہو کہ پوری آبادیاں اس کے دائرے میں آکر خود بخود اخلاقی تربیت پاتی چلی جائیں۔

پھر اس کا مزید کمال یہ ہے کہ سوسائٹی کے حدود میں اگر کوئی فرد ایسا ناقص نکل آئے کہ اس اجتماعی نظام کا جزو بن کر نہ رہ سکتا ہو' تو وہ خود بخود الگ ممتاز ہوجاتا ہے۔ جہاں اس نے بغیر عذرِ شرعی کے روزہ ترک کیا اور فوراً ہی یہ بات سوسائٹی میں آشکارا ہوگئی کہ اس کے درمیان ایک منافق موجود ہے جو خدا کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا اور اپنی حیوانی جبلت کا بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس صریح علامت سے سوسائٹی کو اپنے جسم میں ایک سڑے ہوئے عضو کی موجودگی کا بر وقت علم ہوجاتا ہے' اور اس کو موقع مل جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے زہر سے محفوظ کرے۔ کم از کم اسلام نے اپنی حد تک منافقین کی نشان دہی کا پورا انتظام کردیا ہے اور ہر مسلم سوسائٹی کے لیے اس بات کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ عین وقت پر ان کے وجود سے آگاہ ہو کر یا تو ان کی اصلاح کرے یا انھیں اپنے دائرے سے خارج کردے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بے حس نام نہاد مسلم سوسائٹی اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور ایسے لوگوں کو نہ صرف اپنی گود میں پرورش کرے بلکہ انھیں اپنے سر پر بٹھائے اور زندہ باد کے نعرے لگائے۔

روزے کا اجتماعی پہلو

نماز کی طرح روزہ بھی بجائے خود ایک انفرادی فعل ہے' لیکن جس طرح نماز کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اس کو انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کردیا گیا ہے' اسی طرح روزے کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کردیا گیا۔ اگر شارع کے پیشِ نظر محض افراد کی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لیے یہ حکم دینا کافی تھا کہ ہر مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی تیس دن کے روزے رکھ لیا کرے۔ اس طرح وہ تمام مقاصد پورے ہوسکتے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' بلکہ ضبطِ نفس کی مشق کے لیے یہ صورت زیادہ مناسب تھی۔ کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افراد کے لیے پیدا ہوجاتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوتِ ارادی استعمال کرنی پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں افراد کی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس

کے نتیجہ میں ایک جماعتِ صالحہ وجود میں نہ آئے' اس لیے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنانا پسند نہیں کیا' بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لیے مخصوص کردیا تاکہ سب مسلمان بہ یک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظامِ تربیت جس سے افراد تیار ہوں' ایک صالح اجتماعی نظام بنانے میں بھی مددگار ہوجائے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے روزے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔

(ا) تقویٰ کی فضا

اجتماعی عمل کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں' تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا۔ اس کی کیفیتِ ذہنی صرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی' اس کو نشوونما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی' بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے الٹا گھٹا دیں گے۔ لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو۔ اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں تو معاملہ برعکس ہوگا۔ اس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوئی ہوگی اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی اعانت سے غذا لے کر بے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلا برہنہ ہو اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا؟ بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے لیے درکار ہوگی اور پھر بھی ماحول کے مختلف اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس طرح بار بار شکست کھائے گی؟ لیکن جہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو پھٹکنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔ اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پاکر افزوں در افزوں ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کا الگ الگ جنگ کرنا اور مہالکِ جنگ برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے؟ مگر جہاں فوج کی فوج ایک ساتھ مارچ کر رہی ہو وہاں جذباتِ شہامت و حماست کا ایک طوفان امنڈ آتا ہے جس میں ہر سپاہی مستانہ وار بہتا چلا جاتا ہے۔ نیکی ہو یا بدی' دونوں کی ترقی میں اجتماعی نفسیات کو غیرمعمولی دخل حاصل ہے۔

جماعت مل کر بدی کر رہی ہو تو فحش' بے حیائی اور بدکاری کے جذبات ابل پڑتے ہیں اور جماعت مل کر نیکی کر رہی ہو تو پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کا سیلاب آجاتا ہے جس میں بد بھی نیک بن جاتے ہیں' خواہ تھوڑی دیر کے لیے سہی۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے' اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے۔ جس میں برائیاں دبتی ہیں' نیکیاں پھلتی ہیں' پوری پوری آبادیوں پر خوفِ خدا اور حبِ خیر کی روح چھا جاتی ہے' اور ہر طرف پرہیز گاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانہ میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے' ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے' ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے' کسی غریب کو کھانا کھلائے' کسی ننگے کو کپڑا پہنائے' کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے' کہیں کوئی نیک کام کر رہا ہو تو اس میں حصہ لے' کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہوجاتے ہیں' ظلم سے ہاتھ رک جاتے ہیں' برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہوجاتی ہے' توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں' نیک بہت نیک ہوجاتے ہیں اور بد کی بدی اگر نیکی میں تبدیلی نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصا تنقیہ ضرور ہوجاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال ایک مہینہ کے لیے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے' اس کو اوور ہال کیا جاتا رہے' اس کی کایا پلٹی جائے۔ اور اس میں مجموعی حیثیت سے روحِ اسلامی کو از سرنو زندہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

> جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن باندھ دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کی طرف جانے کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیے

جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے "اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کے خواہش مند ٹھہر جا۔"

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ سی پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے' ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے زمانہ میں دیکھو۔ اگر اس مہینہ میں اس کے اندر کچھ تقویٰ' کچھ خوف خدا' کچھ نیکی کے جذبہ کا ابھار نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینہ میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو' فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں' اور حس مردہ نظر آئے تو **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس "مسلمان" کے لیے مقدر نہیں ہے۔

(۲) جماعتی احساس

اجتماعی عمل کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ نسل یا زبان یا مرزبوم یا معاشی اغراض کا اشتراک فطری قومیت پیدا نہیں کرتا۔ آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے' جو خیالات اور عمل میں اس سے ملتا ہو۔ یہ اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے اور جس کے ساتھ خیالات اور عمل میں اتفاق نہ ہو اس سے کبھی دل نہیں ملتا' خواہ دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔ جب کوئی شخص اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف پاتا ہے۔ تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی کیفیت کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہم یگانگت' رفاقت' یک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں' ان کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہیں رہتی' قلب و روح کا اشتراک اور عمل کا اتفاق ان کو آپس میں جوڑ کر ایک کردیتا ہے۔

خواہ نیکی ہو یا بدی' دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتے ہیں۔ چوروں میں چوری کا اشتراک اور شرابیوں میں شراب نوشی کا اشتراک بھی یونہی برادری پیدا کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستہ میں افراد کی نفسانیت کا دخل رہتا ہے۔ جس کا فطری میلان فرد فرد کو پھاڑ کر الگ کردینے کی طرف ہے۔ اس لیے ایسے راستوں میں برادری کبھی بے آلائش اور مستحکم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نیکی کے راستے میں نفسانیت دبتی ہے' انسانی روح کو حقیقی

تسکین ملتی ہے' اور پاک جذبات کے ساتھ آدمی اس راستہ پر چلتا ہے۔ اس لیے نیک خیالات اور نیک عمل کا اشتراک وہ بہترین رشتہ' اخوت پیدا کرتا ہے۔ جس سے زیادہ مستحکم اجتماعی رابطہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نمازِ با جماعت کی طرح رمضان کے اجتماعی روزے مسلمانوں میں اسی نوع کی برادری پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا مل کر ایک خدا کی رضا چاہنا' اسی کی رضا کے لیے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھانا' اسی کے خوف سے برائیوں کو چھوڑنا اور ایک دوسرے کو برائیوں سے روکنا' اسی کی محبت میں بھلائیوں کی طرف دوڑنا اور ایک دوسرے کو بھلائی پر اکسانا' یہ چیز ان میں بہترین قسم کی وحدت' صحیح ترین فطری قومیت' پاکیزہ ترین اجتماعی ذہنیت' اور ایسی ہمدردی و رفاقت پیدا کرتی ہے جو ہر کھوٹ سے خالی ہے۔

(۳) امدادِ باہمی کی روح

اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب غریب' لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے' جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گزرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے' اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اسے غریب بھائیوں کی مدد کرنے پر اکساتا ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو' اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو' بلکہ فرداً" فرداً" بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں' نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے' بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا' شکر گزاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ طبقاتی جنگ کبھی رونما نہیں ہوسکتی' جو ان قوموں میں ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے' جو قحط کے زمانہ میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں۔ انھیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟

یہ اسلام کا دوسرا عملی رکن ہے' جس کے ذریعہ سے اسلام اپنے افراد کو فرداً" فرداً" ایک خاص قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے اور پھر انھیں جوڑ کر

ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے۔ اسلام کا آخری مقصد جس مدنیتِ صالحہ اور حکومتِ الٰہیہ کو وجود میں لاتا ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی اس طرح نماز اور روزے کے ذریعہ سے ڈھیل بنا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے اہل کار، عہدہ دار، اور وزراء، اس کے معلم اور پروفیسر، اس کے قاضی اور مفتی، اس کے تاجر، مزدور، کارخانہ دار اور کسان، اس کے رائے دہندے، نمائندے اور شہری، سب اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے اجتماع سے وہ صالح، تمدنی و سیاسی نظام بن سکے جسے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ محض ان کچے افراد کو لے کر خلافتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا ایسی خام خیالی و خام کاری ہے جس سے اللہ اور اس کا رسولؐ بری ہیں۔

(اخذ و ترتیب: صلاح الدین کاشمیری)

روزہ، قرآنی ہدایات کی روشنی میں

افادات سید قطب شہیدؒ

تقویٰ کی بنیادی اہمیت

اسلامی سماج کے لیے، جو مدینہ منورہ میں پہلی مرتبہ وجود میں آرہا تھا، کئی اجتماعی احکام سورۃ البقرہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ فرض عبادات کا ذکر ہے۔ دونوں قسم کے احکام، سورت میں پاس پاس، ایک مجموعے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور دونوں ایک ہی رسی ــــ تقویٰ اور خشیت الٰہی ــــ سے مربوط ہیں۔ اجتماعی احکام ہوں یا عبادات کی تفصیلات، دونوں کے ذکر کے بعد تقویٰ کا ذکر یکساں طور پر آیا ہے، اور مسلسل آیا ہے۔ نیز یہ دونوں قسم کے احکام آیت "بر" کے بعد، جو ایمانی فکر کے بنیادی اصولوں اور عملی رویے کے بنیادی احکام پر مشتمل ہے، بیان ہوئے ہیں۔

اسی سلسلے کی چند آیات (۱۷۸ تا ۱۸۸) ہیں۔ ان میں مقتولین کے قصاص اور اس کے سلسلے کے احکام کا تذکرہ ہے، ان میں موت کے وقت وصیت کرنے کا بیان ہے، پھر فریضۂ صوم اور دعا اور اعتکاف جیسی عبادات کا ذکر ہے، اور آخر میں مالی معاملات کے سلسلے کے احکام ہیں۔

ان امور کا مسلسل ذکر اس دین کی حقیقت کی طرف ہمارے ذہن کو متوجہ کرتا ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کے اجتماعی احکام، اس کے تشریعی اصول اور اس کی عبادات، سب کے سب اسلام کے عقیدے ہی سے پھوٹتے ہیں۔ سب اس کلی فکر سے، جو اس عقیدے سے پیدا ہوتی ہے، نکلتے ہیں۔ اور سب اللہ سے تعلق کی واحد رسی سے بندھے ہوئے ہیں۔ ان سب کی غایت ایک ہے۔ اور وہ ہے واحد اللہ کی عبادت، جس نے پیدا کیا، جو رزق دیتا ہے اور جس نے انسانوں کو اپنی اس مملکت ــــ زمین ــــ میں

اپنا خلیفہ بنایا۔ اور خلافت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ اللہ وحدہٗ لا شریک پر ایمان لائیں ' اس کی عبادت بجا لا کر اسی کی طرف متوجہ ہوں ' اور اپنی فکر ' اپنے اجتماعی احکام اور اپنے قوانین ' سب اسی سے حاصل کریں۔

تقویٰ وہ مضبوط رسی ہے جو انسانی نفوس کو ظلم و زیادتی سے روکے رکھتی ہے۔ ظلم و زیادتی قتل کے اقدام کی صورت میں ہو' ظلم یا قتل کا بدلہ لینے کی صورت میں۔ یہ تقویٰ کیا ہے ؟ دلوں کا احساس ذمہ داری! خوف خدا! اللہ کے غضب سے بچنے کی فکر! اور اس کی رضا کی طلب!

تقویٰ کے بغیر کوئی شریعت قائم نہیں رہ سکتی 'کوئی قانون کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اور اجتماعی قوانین اور ادارے ' جو احساسِ ذمہ داری اور خوف اور طمع کے جذبات سے عاری ہوں 'فرد کی قوت سے زیادہ قوت کے حامل نہیں ہو سکتے۔

روزے کا مقام اور غایت

یہ ایک فطری بات ہے کہ جس امت پر اللہ کے نظام کو دنیا میں قائم کرنے ' اور اس کے ذریعہ نوعِ انسانی کی قیادت کرنے اور انسانوں کے سامنے حق کی گواہی دینے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ فرض کیا جائے ' اس پر روزہ فرض ہو ۔ روزہ ہی سے انسان میں محکم ارادے اور عزم بالجزم کا نشوونما ہوتا ہے ۔ روزہ ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے رب سے اطاعت و انقیاد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے ۔ پھر روزہ ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان تمام جسمانی ضرورتوں پر قابو پاتا اور تمام دشواریوں اور زحمتوں کو ——— جو وہ صرف اس لیے اٹھاتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو اور خدا کے یہاں جو اجر ہے ' وہ اسے حاصل ہو ——— برداشت کرنے کی قوت حاصل کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس راہ کی ——— جو گھاٹیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے 'جس کے اطراف و جوانب میں مرغوبات و لذائذ بکھرے پڑے ہیں ' اور جس پر چلنے والوں کو بھکانے والی ہزار ہا صدائیں مسلسل اٹھتی رہتی ہیں ——— مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لیے نفوسِ انسانی کی تیاری کے مقصد کے لیے یہ عناصر لازمی و ناگزیر ہیں۔

روزے کے وہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ سے جسمانی وظائف کے سلسلے میں منکشف ہوئے ہیں ۔ میرا اپنا میلان یہ ہے کہ عبادات کے سلسلے میں خدائی ہدایات کو بطور خاص حسی و مادی فوائد سے وابستہ نہ کیا جائے ۔ کیونکہ ان ہدایات میں خدا کی اصل حکمت یہ

ہے کہ انسانی وجود کو زمین میں اپنا رول ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے ' اور اخروی زندگی میں اس کے لیے جو کمال مقدر ہے اس کے لیے اس کی تربیت کی جائے۔

اس کے باوجود میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ان فرائض اور ان خدائی تعلیمات کے جو فوائد مشاہدے میں آئے ہیں ' یا جن کا انکشاف علمِ انسانی سے ہوا ہے ' ان کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے جو فرائض متعین کرتا ہے اور جن امور کی وہ ہدایت دیتا ہے ' ان سب میں اس انسانی وجود کے لیے خدائی تدبیر کی بہت سی مصلحتیں ہیں ' اور ان میں یہ فوائد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم خدائی احکام کی حکمت کو علمِ انسانی کے ان انکشافات پر معلق نہیں کر سکتے۔ اس علم کا دائرہ بہرحال محدود اور تنگ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ـــــ جس کے تحت وہ انسانی وجود کی تربیت کر رہا ہے یا جس کے تحت وہ طبیعی میدان میں اس کائنات کو پروان چڑھا رہا ہے ـــــ احاطہ و استیعاب کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کو کوئی حکم دینا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور اس کے جذبات کو ابھارا جائے ' تاکہ وہ اس کی پکار پر لبیک کہے اور خوشی خوشی اس بار کو اٹھائے۔ اسی لیے وہ واضح کرتا ہے کہ روزہ کے حکم میں کیا حکمتیں اور فوائد ہیں ' تاکہ اسے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور وہ اس حکم سے مانوس ہو سکے۔

سب سے پہلے وہ روزے کے احکام کی ابتداء "اے ایمان لانے والو!" کی اس ندا سے کرتا ہے جو اہلِ ایمان کو محبوب ہے۔ اس ندا سے وہ انہیں ان کی اصل حقیقت یاد دلاتا ہے۔ پھر وہ انہیں بتاتا ہے کہ روزہ ایک قدیم فریضہ ہے جو ہر خدائی شریعت میں اہلِ ایمان پر فرض رہا ہے۔ اس فریضہ کا اولین مقصود تقویٰ ' صفائے قلب ' احساسِ ذمہ داری اور خشیتِ الٰہی کے لیے دلوں کو تیار کرنا ہے۔

وہ فرماتا ہے '

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان لانے والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ تم خدا ترس بنو گے۔

اس آیت سے روزے کی عظیم غایت سامنے آتی ہے۔ یہ تقویٰ ہے! تقویٰ دل میں زندہ و بیدار ہو تو مومن روزہ کے فریضہ کو اللہ کی فرمان برداری کے جذبے کے تحت ' اس کی رضا جوئی

کے لیے ادا کرتا ہے۔ تقویٰ ہی دلوں کا نگہبان ہے۔ وہی معصیت سے روزے کو خراب کرنے سے انسان کو بچاتا ہے' خواہ یہ دل میں گزرنے والا خیال ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کے اولین مخاطب جانتے تھے کہ اللہ کے یہاں تقویٰ کا کیا مقام ہے اور اس کی میزان میں تقویٰ کا کیا وزن۔ یہی ان کی منزلِ مقصود تھی' جس کی طرف ان کی روحیں لپکتی تھیں۔ روزہ اس کے حصول کا ذریعہ اور اس تک پہنچانے کا راستہ ہے! قرآن اس تقویٰ 'کو منزلِ مقصود کی حیثیت سے ان کے سامنے رکھتا ہے تاکہ روزے کے راستے سے وہ اس منزل کا رخ کر سکیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

قرآن' اس کے بعد' نفسِ انسانی کو روزہ سے مانوس کرنے کے لیے' واضح کرتا ہے کہ روزے ہمیشہ کے لیے اور عمر بھر نہیں رکھنا ہیں۔ صرف چند دن کے روزے ہیں! اس کے ساتھ بیماروں کو ---- جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائیں ---- اور مسافروں کو ---- جب تک وہ مقیم نہ ہو جائیں ---- روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے' تاکہ وہ دشواری میں نہ پڑیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ سفر اور مرض کے علاوہ ہر حال میں روزہ رکھیں۔ خواہ انھیں تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

"تم روزہ رکھو' یہی تمھارے لیے بہتر ہے' اگر تم علم (و فہم) رکھتے ہو!"

روزہ ہر حالت میں سرتا سر خیر ہے۔ روزہ کے سلسلے میں جو بات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ روزہ ارادے کی تربیت' قوتِ برداشت کی تقویت اور راحت و آرام کے مقابلے میں اللہ کی عبادت کو ترجیح دینے کے لیے ہے' اور یہ سب امور اسلامی تربیت میں مطلوب ہیں۔ غیر مریض کے لیے روزے میں صحت کے پہلو سے جو فوائد ہیں' وہ مزید براں ہیں۔ اس لیے خواہ روزہ دار کو تکلیف اور مشقت محسوس ہو' روزہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔

رمضان کی اہمیت

اللہ تعالیٰ تندرست اور مقیم کے لیے اس فریضہ کی ادائیگی کو ایک اور پہلو سے بھی مرغوب و محبوب بناتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ رمضان کے روزے ہیں! اس مہینے کے روزے جس میں قرآن نازل ہوا! وہ قرآن جو اس امت کی دائمی و ابدی کتاب ہدایت ہے! جو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائی! جس نے اسے یہ وجود عطا کیا! جس نے اس کے خوف و ہراس کو امن و امان سے بدل دیا! جس نے اسے زمین میں غلبہ و اقتدار بخشا! اور جس نے اسے وہ تمام بنیادی عناصر عطا کیے جن سے وہ ایک امت بنی! قرآن سے پہلے وہ کچھ بھی نہ تھی اور ان بنیادی عناصر

کے بغیر وہ ایک امت نہیں رہتی۔ نہ زمین میں اس کا کوئی مقام رہتا اور نہ آسمان میں اس کا کوئی ذکر۔ قرآن کی اس نعمت کا کم سے کم شکر یہ ہے کہ ہم اس مہینے کے روزے رکھیں جس میں قرآن نازل ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ انسانوں کے لیے سرتاسر ہدایت۔ جس میں راہ راست کے واضح دلائل اور (حق و باطل کے درمیان) فرق و امتیاز کرنے والی تعلیمات ہیں۔ تو تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے وہ اس (مہینے) کے روزے رکھے۔

دین آسان ہے

قرآن تیسری بار اس فریضہ کی ادائیگی کا شوق دلاتے ہوئے اس حکم کے دینے اور رخصتیں عطا کرنے، دونوں میں، اللہ کی یہ رحمت بیان کرتا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز

اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے! تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا!

اس عقیدے اور اس دین کے تمام احکام کے سلسلے کا یہ ایک عظیم قاعدہ ہے کہ یہ سب احکام آسان ہیں، ان میں کوئی دشواری نہیں۔ ہر با ذوق دل یہ بخوبی محسوس کرتا ہے کہ پوری زندگی میں یہ احکام سہولت اور نرمی کے حامل ہیں۔ یہی نہیں، یہ احکام مسلمان فرد پر سہولت اور فراخی کی چھاپ لگا دیتے ہیں، جس میں کوئی تکلف اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔ نرمی اور فراخی کی اس خصلت کے ساتھ تمام ذمہ داریاں، تمام فرائض اور سنجیدہ زندگی کی تمام سرگرمیاں حسن و خوبی کے ساتھ اس طرح ادا ہوتی ہیں گویا کہ رواں پانی کی ایک گزر گاہ ہے جس میں آسانی کے ساتھ پانی بہہ رہا ہے۔ یا ایک درخت ہے جو آسانی کے ساتھ اوپر کی جانب بڑھتا اور نشوونما پاتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ طمانیت، اعتماد اور اللہ کی رضا و خوشنودی کی فضا میں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بندے کو اللہ کی رحمت کا اور اس بات کا مسلسل شعور رہتا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لیے سہولت چاہتا ہے، انہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

روزہ پر شکر

روزہ درحقیقت ایک ایسی نعمت بھی ہے جس پر خدا کی بڑائی کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا

چاہیے!

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور تم اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو اس بات پر کہ اس نے تمھیں ہدایت سے نوازا۔ اور امید ہے کہ تم (اس کا) شکر ادا کرو گے۔

اس لیے کہ روزہ کی ایک غرض و غایت یہ بھی ہے کہ اہلِ ایمان اس ہدایت کی قدر و قیمت کا احساس کریں جو اللہ نے انھیں عطا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزے کے زمانے میں اہلِ ایمان ہر زمانے سے زیادہ اس ہدایت کی قدر و قیمت کو اپنے نفوس میں محسوس کرتے ہیں۔ روزے کی حالت میں ان کے دل خدا کی نافرمانی کے لیے سوچ بچار سے اور ان کے اعضاء و جوارح معصیت کے ارتکاب سے رکے ہوتے ہیں۔ انھیں خدا کی ہدایت کا اس طرح زندہ احساس ہوتا ہے گویا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو رہے ہوں۔ اور یہ سب اس لیے کہ وہ اس ہدایت پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف اور اس عظیم نعمت کی بخشش پر اس کا شکر ادا کریں، اور روزے کی اس اطاعت کے ذریعہ ان کے دل خدا کی طرف رجوع ہوں۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ روزہ، جو جسم اور نفسِ انسانی پر شاق ہے، اللہ کی عظیم نعمت ہے، اور اس کی غرض و غایت مومن کی تربیت ہے اور امتِ مسلمہ کو اس رول کے ادا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے جسے ادا کرنے کے لیے وہ برپا کی گئی ہے۔ اس رول کی ادائیگی کی حفاظت تقویٰ، اللہ کے نگران و نگہبان ہونے کے شعور اور ضمیر کے احساس ذمہ داری سے ہوتی ہے۔

روزے کا عظیم اجر، قرب الٰہی

قبل اس کے کہ روزے کے اوقات، اور روزے میں مختلف چیزوں سے متمتع ہونے اور ان سے باز رہنے کے تفصیلی احکام بیان ہوں، ہم درمیان میں ایک عجیب و غریب آیت پاتے ہیں۔ یہ آیت دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اس آیت میں ہم روزے کی مشقت کا پورا اور محبوب و مرغوب عوض اور اللہ کی دعوت پر لبیک کہنے کی فوری جزا پاتے ہیں۔ یہ عوض، اور یہ جزا کیا ہے؟ اللہ کا قرب، اور اس کا ہماری دعاؤں کو قبول فرمانا! اس حقیقت کی تصویر کشی ایسے صاف شفاف الفاظ سے کی گئی ہے کہ ان سے روشنی پھوٹی پڑتی ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۭ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○

جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہی ہوں۔ میں

پکارنے والے کی پکار کا ' جب وہ مجھے پکارتا ہے ' جواب دیتا ہوں ۔ تو انہیں چاہیے کہ وہ میری پکار پر لبیک کہیں اور مجھ پر یقین رکھیں ۔ امید ہے وہ راہ راست اختیار کر سکیں گے ۔

"میں قریب ہوں ! میں پکارنے والے کی پکار کا ' جب وہ مجھے پکارتا ہے ' جواب دیتا ہوں !" ـــــــ کتنی نرمی ! کتنی شفقت ! کتنی محبت ! کتنا انس اور کتنا نور ہے ان الفاظ میں ! اس محبت ' اس شفقت اور اس قرب کے مقابلے میں روزے اور کسی بھی حکم کی مشقت کی کیا حیثیت ہے؟ آیت کے ایک ایک لفظ سے یہ محبوب طراوت اور ٹھنڈک ٹپکی پڑتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ' میرے بندے کہا ۔ اور سوال کا جواب براہ راست خود دیا ۔ یہ نہیں فرمایا " ان سے کہو ' میں قریب ہوں " ۔ اس کے بجائے اللہ کی ذات گرامی نے سوال کرتے ہی اپنے بندوں کو خود ہی جواب عطا فرمایا کہ "میں قریب ہوں " اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ "میں دعا کو سنتا ہوں " ۔ اس کے بجائے اجابت دعا کا اعلان کیا کہ "میں دعا کرنے والے کی دعا کو ' جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے ' قبول کرتا ہوں" ۔

یہ ایک عجیب و غریب آیت ہے ! یہ آیت مومن کے قلب میں شیریں طراوت ' انس و محبت ' رضا و طمانیت اور اعتماد و یقین کو انڈیل دیتی ہے ۔ اور اس کے نتیجہ میں مومن کی زندگی اطمینان و سکون اور محبت و قربت سے بہرہ ور ہوتی اور مومن کو ایک پر امن جائے پناہ اور پر سکون جائے قرار نصیب ہوتی ہے ۔

اس محبوب انس ' اس پر خلوص قرب اور خدا کی طرف سے اجابتِ دعا کی اس بشارت کے سائے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متوجہ فرماتا ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس پر یقین رکھیں ! امید ہے کہ یہ روش ان کی ہدایت و رشد اور خیر و صلاح کی موجب بنے گی ۔

اللہ کی دعوت پر لبیک کہنے اور اس پر ایمان و یقین رکھنے کا آخری ثمرہ بندوں ہی کے لیے ہے ۔ یہ ثمرہ ہے رشد و ہدایت اور خیر و صلاح ۔ ورنہ اللہ تو اہلِ جہاں (اور ان کی عبادت و اطاعت) سے بے نیاز ہے ۔

اللہ پر ایمان و یقین اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے سے جو رشد پیدا ہوتا ہے ' رشد بس وہی ہے ۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے نوع انسانی کے لیے جو خدائی نظام پسند کیا ہے وہی واحد صحیح ' راست اور معتدل نظام ہے ۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ جاہلیت و حماقت ہے جسے کوئی سمجھ دار اور راست رو انسان پسند کر سکتا ہے اور نہ وہ رشد و ہدایت کی طرف لے جانے والا ہے ۔ اور

اللہ کے یہاں سے بندوں کی دعاؤں کی قبولیت کی امید اسی وقت کی جا سکتی ہے جب کہ بندے اس کی دعوت پر لبیک کہیں ' اور راہ راست پر گامزن ہوں ۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے دعا کریں ' اور اس کی قبولیت کے سلسلے میں جلد بازی نہ کریں ۔ کیونکہ دعا اپنے وقت پر ہی قبول ہو گی ' جسے اللہ تعالیٰ اپنے حکیمانہ منصوبے کے تحت متعین فرماتا ہے۔

دعا کی قبولیت

ابوداؤد ' ترمذی اور ابن ماجہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا '

> اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے پھیلائے ' اور اس سے کسی بھلی چیز کا سوال کرے ' اور وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔

ترمذی نے اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '

> زمین کی پشت پر رہنے والا جو مسلمان بھی اللہ عزوجل سے کوئی دعا مانگتا ہے ' اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے ' یا اس جیسی کسی مصیبت کو آنے سے روک دیتا ہے ' جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '

> تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہو گی ' الا یہ کہ وہ جلد بازی کرے اور کہے ' میں نے دعا کی اور وہ قبول نہیں ہوئی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '

> بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے ' جب تک وہ جلد بازی نہ کرے۔ پوچھا گیا ' اے اللہ کے رسولؐ ! جلد بازی کیا ہے ؟ فرمایا ' دعا کرنے والا کہے کہ میں نے دعا کی ' اور پھر کی ' لیکن مجھے نظر نہیں آرہا کہ میری دعا قبول ہو گی۔ پھر وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

اور روزہ دار کی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے ' جیسا کہ امام ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنی مسند میں اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا '

> "عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ' انھوں نے کہا ' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ انھوں نے فرمایا ' روزہ دار کے افطار کے وقت

اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ جب روزہ افطار کرتے تو اپنے اہل و عیال کو بلاتے اور دعا کرتے۔

اور ابن ماجہؒ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

روزے دار کی دعا' جو وہ افطار کے وقت کرے' رد نہیں ہوتی۔

اور احمدؒ' ترمذیؒ' نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

تین اشخاص ہیں' جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل فرماں روا' روزہ دار جب کہ وہ افطار کرے' اور مظلوم کی دعا جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بادلوں سے اوپر اٹھائے گا۔ اس کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "میری عزت و جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا' خواہ کچھ مدت بعد ہو!"

اسی لیے روزے کے بیان کے درمیان میں دعا کا ذکر آیا ہے۔

حرام و ناحق مال کھانے کی ممانعت

روزہ رکھنے اور روزے کے دوران کھانے پینے سے باز رہنے کے حکم کے زیر سایہ ایک اور قسم کے کھانے کی ممانعت آتی ہے۔ اور وہ ہے "لوگوں کے مال ناحق طور پر کھانا"۔ اس کی شکل یہ ہے کہ عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے' اور قرائن و حالات اور دستاویزوں کے سلسلے میں حاکم کو مغالطہ میں مبتلا کیا جائے' اور چرب زبانی اور حجت بازی سے اسے دھوکا دیا جائے' تاکہ وہ ان حالات کے مطابق فیصلہ کر دے جو اس کے سامنے آئے ہیں' حالانکہ حقیقت واقعی اس کے خلاف ہے۔ یہ ممانعت حدود اللہ کے ذکر اور اللہ سے تقویٰ کی دعوت کے بعد کی گئی' تاکہ خشیتِ الٰہی کا' جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب سے انسان کو روکتی ہے' سایہ اور اثر برقرار رہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور تم لوگ آپس میں اپنے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ' نہ انھیں حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ حق تلفی کر کے ہڑپ کر لو' جانتے بوجھتے۔

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک ایسے شخص کے سلسلے

میں ہے جس کے پاس کسی کا مال ہو مگر اس کے سلسلے میں میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو' پھر وہ انکار کر دے کہ اس کے پاس کسی کا مال ہے۔ اور وہ حکام کے پاس جا کر مقدمہ بازی کرے ' حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس پر دوسرے کا حق ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ دوسرے کی حق تلفی کر رہا ہے ' اور حرام کھا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ایک انسان ہوں میرے پاس کوئی شخص مقدمہ لے کر آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے وہ شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز ہو اور میں (اس کے دلائل سے متاثر ہو کر) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں ! تو اگر میں (غلطی سے) کسی مسلمان کا حق دوسرے شخص کو دے دوں تو یہ اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے ' خواہ وہ اسے اٹھا کر لے جائے یا اسے چھوڑ دے!"

اس طرح وہ انہیں ان کے اس علم کے حوالے کر دیتا ہے جو وہ اپنے دعوے کی حقیقت و اصلیت کے بارے میں رکھتے ہیں ! کیونکہ حاکم کے فیصلے سے نہ حرام حلال ہوتا ہے اور نہ حلال حرام۔ حاکم کے لیے تو لازم ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے ' اور گناہ اس شخص پر ہو گا جو حیلے بہانے کر کے غلط فیصلہ کرا لے۔

اس طرح مقدمہ اور مال و دولت کا معاملہ بھی اللہ کے تقویٰ سے متعلق ہو جاتا ہے ' جیسا کہ قصاص ' وصیت اور روزہ بھی تقویٰ سے متعلق و مربوط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امور کامل خدائی نظام کے جسم کے مختلف مربوط اعضاء و اجزاء ہیں اور یہ سب ایک ہی رشتے ——— تقویٰ ——— سے مربوط ہیں ' جس سے کہ اس نظام کے تمام ٹکڑے مربوط ہیں۔ اس طرح خدائی نظامِ واحد وحدت کی شکل اختیار کر لیتا ہے ' جس کے اجزاء کو متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے کسی ایک جزو کو ترک کر دینا اور دوسرے جزو پر عمل کرنا کتابِ الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے حصے کے انکار کے مترادف ہے۔ اور انجام کے لحاظ سے یہ کفر ہی ہے۔

فی ظلال القرآن ' جلد اوّل ' اردو ترجمہ سید حامد علی ' لاہور

(ترتیب : خرم مراد)

روزہ اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں

افادات علامہ حافظ ابن قیمؒ

روزے سے مقصود ضبطِ نفس ہے تاکہ وہ ناجائز خواہشات پوری کرنے سے رک جائے' پسندیدہ چیزوں کو ترک کرسکے' اور شہوانی قوتوں میں اعتدال پیدا ہو' انسان ابدی سعادت اور کامل انعامات حاصل کرسکے' اور اسے بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل ہو۔ یہی طریقہ ہے تزکیہ نفس کا اور اسی میں ابدی زندگی کی کامیابیاں پوشیدہ ہیں۔ روزے کی حالت میں انسان دوسرے انسانوں کی بھوک و پیاس اور ان کی تکالیف کو بھی اچھی طرح محسوس کرسکتا ہے۔ اکل و شرب کی کمی سے شیطان کے راستے تنگ ہوجاتے ہیں' نیز دنیا و آخرت کے نقصانات سے بچنے کا سامان ہوجاتا ہے۔

روزہ جسم کے ہر عضو کو تسکین بخشتا ہے' اور ہر قوت کو بے راہ روی سے روکتا ہے۔ گویا روزہ اہلِ تقویٰ کی لگام' اپنے نفس سے جہاد کرنے والوں کی ڈھال' اور ابرار و مقربین کی ریاضت ہے۔

تمام اعمال میں روزہ ہی ایک ایسا عمل ہے جو صرف رب العالمین کے لیے ہے' کیونکہ روزے دار صرف اسی کی خاطر اپنا جائز کھانا پینا اور شہوت بھی چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات و مرغوبات اور دنیا کی لذتیں صرف اللہ کی محبت اور اس کی رضا جوئی کے لیے ترک کرتا ہے۔

اس طرح روزہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے' اور اس راز کی کیفیت کو اس کا رب ہی جانتا ہے۔

روزے کی عبادت کا سب سے زیادہ کامل طریقہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے۔ آپؐ کے اسوہ کی پیروی کرنا ہر عام آدمی کے لیے آسان اور ممکن ہے اور یہ اسوہ ہی روزہ

کے مقصد تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

روزہ کب فرض ہوا؟ کیونکہ مرغوبات و خواہشات سے بچنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے' اس لیے روزہ کا حکم عہدِ اسلام کے وسط تک موخر کیا گیا۔ جب عام لوگوں کے دلوں میں اللہ پر ایمان راسخ ہوگیا' وہ نماز کے پابند ہوگئے' اور قرآن کے دیگر احکام سے بھی مانوس ہوگئے' تو ہجرت کے بعد دوسرے سال روزہ فرض کیا گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپؐ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

آپؐ رمضان میں کثرت سے عبادت فرماتے' اور کئی قسم کی عبادتوں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ رمضان آتا تو آپؐ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر قرآن مجید کی منزلیں ان سے سنتے' اور ان کو سناتے تھے۔ جبرائیلؑ سے ملاقات ہوتی تو آپؐ تیز آندھی سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ سخاوت کیا کرتے۔ آپؐ عام دنوں میں بھی تمام لوگوں سے بہت زیادہ سخی تھے' لیکن رمضان میں تو آپؐ کے صدقہ و احسان' تلاوتِ قرآن مجید' نماز' ذکر اور اعتکاف کی کوئی حد نہ رہتی۔ بعض اوقات آپؐ صومِ وصال (مسلسل بغیر افطار کے روزہ) بھی رکھتے' تاکہ آپؐ ہر وقت اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہیں۔

لیکن آپؐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صومِ وصال سے منع فرماتے تھے۔ وہ عرض کرتے' یا رسول اللہؐ آپؐ تو صومِ وصال رکھتے ہیں؟ آپؐ فرماتے کہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں' اور ایک روایت میں آتا ہے میں اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس کھلانے پلانے کی تعبیر میں دو قول پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ وہی کھانا پینا ہے جو منہ سے کھایا جاتا ہے۔ ان الفاظ کے ظاہری معنی یہی ہیں' اور کوئی دوسرے معنی تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے کھلانے پلانے سے مراد روحانی غذا ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے مناجات کی لذت' اس کا قرب جس میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اس کی محبت جس کا سچا فیض دل پر نازل ہوتا ہے' اس کے علاوہ اس قسم کے دیگر احوال جو غذائے قلبی' انعاماتِ روحانی' اور سکون نفس و روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جسے کچھ بھی تجربہ ہے وہ جانتا ہے کہ قلبی اور روحانی غذا کے مقابلے میں جسم مادی غذا سے مستغنی ہوجایا کرتا ہے۔ جب آدمی اپنے مطلوب کو حاصل کرلے' اسی میں مگن ہو' محبوب کے نظارے سے آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہو' اس کا محبوب اس سے راضی ہو' محبوب کے لطف و کرم' ہدایا و احسانات ہر وقت اسے مل رہے ہوں' محبوب اس

کے حال سے واقف ہو' اس کا از حد اعزاز و اکرام کرتا ہو' اس سے محبت کامل رکھتا ہو' تو کیا ایک محبت کرنے والے کے لیے یہ سب کچھ سب سے بڑی غذا نہیں۔ اگر دنیاوی محبت میں یہ کیفیت ہوسکتی ہے' تو سوچیے اس حبیب کی محبت میں کیا کیفیت ہوگی' جس سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں' جس سے زیادہ عظمت کسی کی نہیں' جس سے زیادہ جمیل اور کامل کوئی نہیں' اور جس سے زیادہ محسن کوئی نہیں۔ جب محبت کرنے والے کا دل اپنے حبیب کی محبت سے لبریز ہوگیا' جسم و جان پر اس کی محبت کا قبضہ ہوگیا' اس کی محبت سب سے زیادہ گہری اور سب سے بڑھ کر اثر انگیز ہوگئی' اور اپنے حبیب کی محبت میں اس کی حالت ہی دوسری ہوگئی' تو یہ کیسے نہ ہوتا کہ یہ محبت ہی اپنے حبیب کے ہاں سے دن رات کا کھانا پینا بن جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اگر یہ خورد و نوش مادی ہوتا' تو صومِ وصال تو الگ رہا آپؐ سرے سے روزے دار ہی نہ ہوتے۔ اور اگر یہ کھانا پینا صرف رات کو ہوتا' تو پھر صومِ وصال نہ ہوتا۔ پھر آپؐ صحابہؓ کے سوال پر کہ آپؐ تو صومِ وصال رکھتے ہیں' یہ جواب دیتے کہ میں وصال نہیں کرتا' اور یہ نہ فرماتے کہ' میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ آپؐ نے وصال کا اقرار کیا اور اس بات کی نفی فرما دی کہ آپؐ کی اور صحابہؓ کی حالت یکساں ہے (صحیح مسلم' بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)

دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر رحمت کے پیش نظر صومِ وصال سے منع فرمایا' اور سحری کی تاکید کی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ وصال مت کرو۔ جو وصال کرنا چاہے تو ایک سحری سے دوسری سحری تک وصال کرسکتا ہے۔ یہ روزے کے لیے سب سے زیادہ معتدل اور سہل وصال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب رویتِ ہلال کی تحقیق ہوجاتی یا کوئی عینی گواہ مل جاتا' تو آپؐ روزے شروع فرما دیتے۔ آپؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی شہادت قبول کرکے روزہ رکھا' نیز ایک اعرابی کے کہنے پر بھی روزہ شروع کیا۔ آپؐ نے ان دونوں کی خبر پر اعتماد کیا اور انھیں لفظ شہادت کا پابند نہیں کیا۔ اگر رویت یا شہادت دونوں نہ ہوتیں تو آپؐ شعبان کے تیس دن پورے کرتے۔

آپؐ بادل کے دن کا روزہ بھی نہیں رکھتے تھے' نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا۔ بلکہ فرمایا کہ جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں۔ یہی آپؐ کی سنت ہے' آپؐ کا حکم بھی

یہی ہے۔ یہ روایت آپؐ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے کہ جب بادل چھائے ہوئے ہوں تو اندازہ کرلو۔ اندازے سے مراد حساب کے مطابق مہینے کا پورا کرنا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ "شعبان کی مدت پوری کرو"۔ فرمایا کہ جب تک چاند دیکھ نہ لو روزہ شروع نہ کرو، اور جب تک چاند دیکھ نہ لو روزہ ختم نہ کرو۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ روزے رکھ کر رمضان کا استقبال نہ کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن قبل روزے مت رکھو۔ ہاں، ایسا آدمی جو پہلے سے روزے رکھتا چلا آ رہا ہے وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

یہ تمام روایات صحیح ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ اور سلف سے ان روایات کے خلاف عمل بھی روایت کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے ابر کی وجہ سے چاند نہ دکھائی دینے کی صورت میں روزہ رکھا۔ اس کی بہترین تاویل یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ روزہ رکھنا سرے سے جائز ہی نہیں۔ انھوں نے تیس دن مکمل کرنے کی ہدایت کو وجوب نہیں، بلکہ جواز کہا۔ اس طرح جب انھوں نے تیسویں دن کا روزہ رکھا تو دو جائز کاموں میں سے احتیاطاً ایک جائز کام کیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو ایک یا دو دن پہلے سے روزہ رکھ کر رمضان کے مہینے کا استقبال کرتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو۔ گویا حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ کے عمل کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ دونوں صحابہ ایسے تھے کہ ایک قدرے تشدد کی طرف مائل تھے، اور دوسرے رخصت کی طرف۔ یہی صورت حال دوسرے مسائل میں بھی سامنے آتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے تشدد کے باعث بعض ایسے امور کے بھی پابند تھے جن میں دیگر صحابہ ان کے موافق نہ تھے۔ آپ وضو میں آنکھوں کا اندرونی حصہ بھی دھوتے تھے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے نابینا بھی ہوگئے۔ جب آپ سر کا مسح کرتے تو کانوں کے لیے نیا پانی لیتے۔ آپ حمام میں جانے سے منع فرماتے، اور جب داخل ہوتے تو اس کے بعد غسل کرتے۔ دوسری طرف حضرت ابن عباسؓ حمام میں جاتے۔ حضرت ابن عمرؓ دو ضربات سے تیمم کرتے، ایک چہرے کے لیے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف کرتے اور کہا کرتے کہ تیمم میں چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی ضرب کافی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ عورت کا بوسہ لینے پر وضو ضروری سمجھتے اور اس کا فتویٰ بھی دیتے، اور جب آپ اپنے بچوں کا بوسہ

لیتے تو کلی کرتے اور پھر نماز پڑھتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں نے بوسہ لیا ہے یا میں نے خوشبو سونگھی ہے۔ ان کے نزدیک اس سے وضو نہ ٹوٹتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ ایک مسلمان کی شہادت پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے' اور دو مسلمانوں کی گواہی پر روزے ختم کرنے کا حکم فرماتے۔ عید کا وقت گزرنے کے بعد بھی اگر دو سوار چاند دیکھنے کی گواہی دیتے تو آپؐ افطار کرلیتے اور لوگوں کو بھی افطار کا حکم فرماتے' لیکن عید کی نماز اگلے روز اس کے وقت پر ادا کرتے۔

آپؐ افطار میں خود جلدی کرتے' جلدی کرنے کی ترغیب بھی دیتے' نیز سحری کھاتے' اور سحری کھانے کی بھی ترغیب دیتے۔ آپؐ سحری کھانے میں تاخیر بھی فرماتے' اور اس تاخیر کی بھی ترغیب دیتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب پڑھنے سے قبل افطار کیا کرتے تھے۔ اگر تر کھجوریں مل جاتیں تو ان سے افطار فرماتے' اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کرلیتے' اگر وہ بھی نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹوں ہی سے افطار کرلیا کرتے۔

آپؐ کھجور سے افطار کرنے کی ترغیب دیتے' اور اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے۔ یہ امت پر کمال شفقت و خیر خواہی کے باعث تھا' کیونکہ خالی معدے میں طبیعت میٹھی چیز کو زیادہ قبول کرتی ہے اور اس سے اسے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مدینے کی میٹھی کھجور ہی ان کی سب سے اچھی غذا بھی تھی' اور خشک و تر کھجور ان کے ہاں پھل کی حیثیت رکھتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے'

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا' تیرے ہی رزق سے افطار کیا' پس اس روزے کو ہماری طرف سے قبول فرما' بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آپؐ یہ دعا مختصر بھی پڑھا کرتے'

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرلیتے تو یہ دعا پڑھتے

ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ

یعنی پیاس چلی گئی' رگیں تر ہوگئیں' اور اجر ثابت ہوگیا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے دار کی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔

روزے دار کو آپؐ گندی باتیں کرنے' سختی برتنے' گالی دینے' گالیوں کا جواب دینے سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ نے حکم دیا ہے کہ جو گالی دے اس سے کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں' میں گالی نہیں دے سکتا۔ اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ زبان سے کہے' ایک قول یہ ہے کہ دل میں کہے اور اپنے آپ کو یاد دلائے کہ میں روزے سے ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ فرض روزے میں زبان سے کہے اور نفلی روزہ ہو تو دل میں کہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا' تو حالتِ سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہ رکھا۔ صحابہؓ نے بھی ان دونوں طریقوں کو اختیار کیا۔

جب دشمن سے جنگ سرپر ہوتی تو آپؐ روزہ نہ رکھنے کا حکم فرماتے' تاکہ جنگ کرنے میں قوت بحال رہے۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے قوت حاصل کرنے کی خاطر روزہ نہ رکھنا اور افطار کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس بارے میں دو قول ہیں' لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ چھوڑنے کو مباح قرار دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ حالتِ جنگ میں بھی روزہ چھوڑنا مباح ہے۔ بلکہ درحقیقت محض سفر کے لیے روزہ چھوڑنے کے مقابلے میں جہاد کے لیے روزہ چھوڑنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ سفر میں روزہ چھوڑنے کا جواز صرف سفر کے لیے قوت کی خاطر ہے۔ لیکن جنگ میں جہاد کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے قوت کی خاطر ہے۔ جہاد کی مشقت سفر کی تکلیف سے زیادہ سخت ہے اور مسافر کے روزہ چھوڑنے کے مقابلے میں مجاہد کا روزہ چھوڑنا زیادہ مصالح اور فوائد کا حامل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دشمنوں کے مقابلے میں جس قدر ممکن ہو قوت مہیا کرو' اور مجاہد کا روزہ نہ رکھنا بھی قوت کا باعث ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ یہ تھی کہ اگر آپؐ کو صبح کے وقت غسل کی حاجت ہوتی اور فجر کا وقت آجاتا' تو فجر طلوع ہونے کے بعد غسل فرماتے اور روزہ بھی رکھ لیتے۔ رمضان میں روزے کی حالت میں تقبیل بھی کرلیتے۔

نبیؐ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ بھول کر کھانے پینے والے سے قضا ساقط کردیتے۔ فرماتے کہ اسے خدا نے کھلایا پلایا ہے۔ گویا کہ یہ کھانا پینا اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ وہ مضطر قرار دیا جائے گا' اور یہ کھانا پینا نیند میں کھانے پینے کی طرح

ہو گا۔ جس طرح سونے والے کے افعال پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا' بھول کر کھانے والے پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ روزے دار کا کھانا' پینا' پچھنے لگوانا' قے کرنا روزے کو توڑ دیتا ہے۔ قرآن کی رو سے جماع کرنا بھی کھانے پینے کی طرح روزے کو فاسد کر دیتا ہے۔ سرمہ لگانے کے متعلق آپؐ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ صحیح روایت کے مطابق آپؐ روزے کی حالت میں مسواک کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ روزے کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈال لیا کرتے تھے' اور آپؐ کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے' حالانکہ آپؐ کا روزہ ہوتا۔

بعض دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل روزے رکھتے یہاں تک کہ کہا جاتا کہ اب آپؐ روزہ ترک نہ کریں گے۔ کبھی آپؐ مسلسل روزے نہ رکھتے' یہاں تک کہ کہا جاتا کہ اب آپؐ کبھی روزے نہ رکھیں گے۔

رمضان کے علاوہ آپؐ نے کبھی بھی مکمل مہینے کے روزے نہیں رکھے' اور شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہیں رکھے۔ رجب میں آپؐ بالکل روزے نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کے روزے مستحب سمجھتے تھے' بلکہ ابن ماجہ میں آپؐ سے رجب کے روزوں کی نہی منقول ہے۔

آپؐ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کو پسند فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدسؐ سفر اور حضر میں ایام بیض (تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں) کے روزے نہ چھوڑتے اور آپؐ ان روزوں کی ترغیب بھی دیا کرتے۔

ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کے روزوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ کو ان دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا (مسلم)۔ اور حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ چار چیزوں کو نبیؐ نے کبھی ترک نہ فرمایا: (۱) یوم عاشورہ' (۲) دس دن' حج کے مہینے کے۔ (۳) ہر ماہ کے تین دن۔ (۴) فجر کی دو رکعتیں۔ شوال کے روزوں کے بارے میں صحیح روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "رمضان کے فوراً بعد یہ روزے رکھنا ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے"۔ عاشورہ کے روزہ کا تو آپؐ تمام ایام سے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ یہ حدیث مشکوک ہے کہ نبیؐ ہفتے اور اتوار کا روزہ کثرت سے رکھتے تھے اور اس سے یہود و نصاریٰ کے طریقے کے مخالفت مقصود ہوتی تھی۔

باقی بر صفحہ ۸

احکام و آدابِ صوم کے تشریعی اصول

افادات شاہ ولی اللہؒ

بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایک ایسی امانت کا بار رکھا ہے جس کو اٹھانے کی لیاقت اور استعداد نہ آسمان و زمین میں ہے نہ پہاڑوں میں۔ یہ امانت' اختیار و ارادہ اور اعمال کی مسئولیت کا مکلف ہونا ہے' جس کی وجہ سے انسان کو ایمان لانے اور اطاعت کرنے سے ثواب ملتا ہے' اور انکار و نافرمانی کرنے سے عذاب۔ انسان بالطبع عالم نہیں ہے' لیکن اس میں علم حاصل کر سکنے کی استعداد ہے۔ اسی لیے' اگر وہ علم حاصل نہ کرے' تو اسے جاہل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ بالطبع عادل نہیں ہے' لیکن وہ عادل بن سکتا ہے۔ اسی لیے اگر وہ عدل نہ کرے' تو وہ ظالم ہے۔

انسان و جن کے سوا جس مخلوق سے ہم واقف ہیں وہ دو نوع کی ہے۔ ایک وہ جو نہ جہل میں مبتلا ہو سکتے ہیں نہ ظلم کر سکتے ہیں' جیسے فرشتے۔ دوسرے وہ جو نہ علم حاصل کر سکتے ہیں نہ عدل کر سکتے ہیں' جیسے جانور۔ فرشتے حیوانی خصوصیات جیسے بھوک پیاس' شہوت و غضب' اور خوف و غم سے مبرا ہوتے ہیں۔ جانور اس نوعیت کے طبعی اور جسمانی تقاضے پورا کرنے ہی میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو' اس امانت کا بار کامیابی کے ساتھ اٹھانے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے لیے' اس کی فطرت اور استعداد میں دونوں قسم کی خصوصیات اور قوتیں بخشی ہیں۔ ملکوتی بھی' اور حیوانی بھی۔ یا ملکیت اور بہیمیت۔ ملکوتی قوت و خصوصیات کا سرچشمہ روحِ انسانی ہے' جو فرشتوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ حیوانی قوت و خصوصیات کا منبع نفسِ انسانی اور جسم ہے' جو سارے حیوانات و بہائم میں پایا جاتا ہے۔ مگر جسمِ ارضی روحِ انسانی کے لیے وہ سواری

ہے جس کے ذریعے وہ آخرت میں اپنی سعادت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ اس لیے جسم بھی انسان کی سعادت اور کامیابی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اس کی ملکوتی خصوصیات۔

روح و جسم ایک دوسرے کے معاون و مددگار بھی ہو سکتے ہیں' اور ایک دوسرے کے مزاحم و مخالف بھی۔ ان دونوں کے درمیان مسلسل کشمکش برپا رہتی ہے۔ روح ملکوتی بلندیوں کی طرف کھینچتی ہے' نفس حیوانی پستیوں کی طرف۔ جب نفس و جسم کی قوتیں غالب آجاتی ہیں' تو روح کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ روح کے تقاضے جب افراط و تفریط میں مبتلا ہو جائیں تو وہ جسم کے تقاضوں کو کچلنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ روش اس سواری کو کمزور کرنے یا ختم کر دینے کے مترادف ہے جو انسان کو کامیابی کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔

انسان کی حقیقی کامیابی اس میں پوشیدہ ہے کہ اس کی خواہشِ نفس اور ہوس عقل کے تابع ہو' اور نفسِ حیوانی روحِ انسانی کی اطاعت کرے۔ لیکن اگر خواہشات و شہواتِ نفسانی زیادہ قوی ہوں تو وہ روح کے تقاضوں کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں' اس لیے ان خواہشات کو مغلوب کرنا اور قابو میں رکھنا ناگزیر ہے۔ ان خواہشاتِ نفس کو غالب کرنے والے اسباب میں سب سے زیادہ قوی اسباب کھانا پینا اور شہوانی لذتوں میں انہماک ہیں۔ اس لیے ان خواہشاتِ نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان چیزوں کو کم کیا جائے اسی لیے وہ تمام لوگ جو روحانی بلندیوں کا حصول چاہتے ہیں' وہ کسی بھی مذہب کے پیرو ہوں اور کسی بھی ملک کے رہنے والے ہوں' اس بات پر متفق ہیں کہ اس مقصد کے حصول کی بہترین تدبیر کھانے پینے اور لذتِ شہوانی میں انہماک کو کم کرنا ہے۔

مطلوب یہ ہے کہ نفس کی خواہشات روحانی وجود کی تابع ہو جائیں' اور صبغۃ اللہ میں رنگ جائیں۔ روح' جسم کے تقاضوں اور خواہشات سے آزادی حاصل کرلے۔ اس کا راستہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ روح ایک عمل کا مطالبہ نفس سے کرے' اور اس سے اطاعت کرائے' اسے سرکشی نہ کرنے دے۔ پھر بار بار یہی عمل دہرایا جائے حتیٰ کہ روح کی اطاعت کرنا نفس کی عادت بن جائے۔ مثلاً اکل و شرب اور شہوت جیسی چیزوں کو ترک کرنے کا مطالبہ' جن کی خواہش نفس کرتا ہے اور جن سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہی روزہ ہے۔

تدابیرِ زندگی' اہل و عیال اور اموال میں مشغولیت کی وجہ سے سب لوگوں کے لیے خود سے اس قسم کے مجاہدہ اور ریاضت کا پابند رہنا ممکن نہیں' اس لیے یہ ضروری ہوا کہ عام آدمی پر وقفے وقفے سے' اتنی مقدار میں اس ریاضت کو فرض کیا جائے کہ اس کے روحانی تقاضوں کی

تکمیل کا سامان بھی ہو اور جو کوتاہیاں ہو گئی ہوں ان کی تلافی بھی ہو جائے۔ گویا وہ اس گھوڑے کی طرح ہو جائے جو لمبی رسی سے ایک کھونٹے سے بندھا ہو اور دائیں بائیں چکر لگا کر پھر اپنے تھان پر آکھڑا ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مدت اتنی مقرر کی جائے کہ افراط و تفریط کا امکان نہ ہو۔ نہ کمی کرنے والا اس عبادت کو اتنا کم کرے کہ اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے' نہ زیادتی کرنے والا اتنا زیادہ کرلے کہ اس کا نشاط جاتا رہے' اور وہ اپنے نفس کو زندہ درگور کردے۔ اصل میں روزہ ایک تریاق کی طرح ہے۔ اس لیے اس کا استعمال بقدر ضرورت ہی کرنا صحیح ہے۔

تقلیلِ اکل و شرب کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے کی مقدار کم کردی جائے' دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ طویل کر دیا جائے۔ شریعت نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ اس لیے کہ اس طریقے سے آدمی کمزور ہوتا ہے' تھکتا ہے اور بھوک پیاس کو محسوس کرتا ہے۔ حیوانی خواہشات پر چوٹ بھی پڑتی ہے۔ پہلے طریقے میں کوئی دیرپا اثر نہیں پڑتا' مگر آدمی تھک جاتا ہے۔ نیز اس طریقے میں ہر عام آدمی کے لیے ایک ہی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ لوگوں کی حالت مختلف ہوتی ہے' ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے تو دوسرا آدمی آدھا سیر۔ خوراک کی مقدار میں جو کمی ایک آدمی کے ضبطِ نفس کے لیے ضروری ہوگی' وہ دوسرے کے لیے ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مدت کا تعین لوگوں کی رائے پر چھوڑا جائے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا قاعدہ تشریع کے خلاف ہوگا۔ یہ مدت طویل بھی نہ ہونا چاہیے کہ صحت کے لیے مضر ہو جائے' اس لیے کہ یہ مقصودِ شرعی کے خلاف ہوگا' اور عام لوگوں کے لیے ناقابلِ عمل۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بھوکا رہنا بار بار ہو' تاکہ مشق ہو اور اطاعت کا ملکہ پیدا ہو۔ ایک دفعہ بھوکا رہنے میں کوئی فائدہ نہیں' خواہ بھوک کتنی ہی شدید اور طویل ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ نفس کو اس طرح مغلوب کرنے کے لیے کہ وہ ہلاکت تک نہ پہنچ جائے' بھوک پیاس کی مدت اور اس کی تکرار کے لیے مدت کے تعین میں ایسے مقداریں اختیار کی جائیں جو عام لوگوں میں مستعمل ہوں' اور جن کو ذی عقل' بیوقوف' شہری' دیہاتی سب جانتے ہوں۔

ان تشریعی اصولوں کے مطابق شریعتِ الٰہی میں روزہ کے لیے ایک دن کی مدت' اور تکرار کے لیے ایک ماہ کی مدت مقرر کی گئی۔

جب روزہ کی عبادت تمام لوگوں کے لیے فرض کی گئی' اور سب کی اصلاح اور عرب و عجم

کی فلاح مطلوب ہوئی تو یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس مہینہ کے انتخاب میں آزاد نہ چھوڑا جائے' کہ ہر شخص اس مہینہ کو اختیار کرے جس میں اس کے لیے روزہ رکھنا آسان ہو۔ اس طرح تاویل اور عذر و فرار کا راستہ کھل جاتا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا' اور اسلام کی یہ عظیم الشان عبادت گمنامی اور غفلت کا شکار ہو جاتی۔

جب ایک مہینہ مقرر کرنا ضروری ہوا' تو اس مہینہ سے بہتر اور کونسا مہینہ ہو سکتا تھا جس میں قرآن مجید نازل ہوا' ملت مستحکم و راسخ ہوئی' اور جس میں شبِ قدر جیسی رات پائی جاتی ہے۔

حکمتِ احکام و آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تک چاند نظر نہ آئے روزہ نہ رکھو' اور چاند دیکھے بغیر روزے ختم نہ کرو۔ پھر اگر ابر ہو جائے تو اندازہ کر لو" ۔ ایک روایت میں ہے کہ "تیس روزے پورے کر لو۔"

روزوں کے لیے قمری مہینہ اختیار کیا گیا ہے جس کا انحصار رویتِ ہلال پر ہے' اور وہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا۔ اسی لیے اشتباہ کی صورت میں قمری مہینہ کی اس بنیاد کی طرف رجوع کرنا ہی ضروری ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ تشریع کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ احکام کی بنیاد ایسے امور پر ہو جن کو عام اور ان پڑھ لوگ بھی آسانی سے جان لیں' بغیر اس کے کہ وہ تعمق میں پڑ کے بال کی کھال نکالیں' یا پیچیدہ حساب کتاب میں پڑیں۔ بلکہ شریعت نے ایسی چیزوں کا سدباب کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "ہم ان پڑھ لوگ ہیں' نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرنا۔"

آپؐ نے فرمایا ہے کہ "عید کے دو مہینوں' رمضان اور ذوالحجہ' میں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔" بعض نے کہا ہے کہ دونوں مہینے ایک ہی سال میں انتیس انتیس کے نہیں ہوتے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مہینہ انتیس کا ہو یا تیس کا' اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ دوسری توجیہہ قواعدِ تشریع کے زیادہ مطابق ہے۔ گویا آپؐ نے اس بات کا انسداد کیا کہ دلوں میں خوامخواہ ہی کوئی وہم یا کھٹک پیدا ہو۔

احکامِ صوم کے باب میں دوسرے احکام کی طرح شریعت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ تعمق کے اسباب کا سدباب کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ اور عبادت گذار اہلِ عرب بھی روزہ کا اہتمام کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ روزہ کا اصل مقصود نفس کو مغلوب کرنا ہے' اس لیے

انہوں نے تعمق کیا اور کئی بدعات ایجاد کیں تاکہ نفس اور زیادہ مغلوب ہو۔ مگر اسی طرح دین الٰہی میں تحریف ہوتی ہے۔ یہ تحریف کمیت اور کیفیت ، دونوں پہلوؤں سے ہوتی ہے۔

کمیت کے لحاظ سے تحریف کے انسداد کی ایک مثال یہ ہے کہ آپؐ نے رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا، اور عید کے دن اور شک کے دن بھی روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ایسے روزہ اور رمضان کے روزہ میں کوئی فصل نہیں ہے۔ (جب کہ فرض کا ممیز رہنا اہم تشریعی اصول ہے)۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہی لوگ ایسے روزہ کو اپنے اوپر لازم کر لیں، اور متاخرین اس کو سنت سمجھ کر اس کی پابندی شروع کر دیں، اور اسی طرح ان کے بعد کے طبقات بھی۔ اس طرح (جو چیز لازم نہ تھی اس کو لازم کر لینے سے) دین میں تحریف ہو جائے۔ تعمق کی جڑ یہی ہے کہ احتیاط اس حد تک کی جائے کہ وہ فرض کی طرح ہو جائے۔

کیفیت کے لحاظ سے تحریف کے انسداد کی مثال یہ ہے کہ آپؐ نے صوم وصال (مسلسل بلاسحری روزہ) سے منع فرمایا ہے، سحری کھانے کی ترغیب دی ہے، اور سحری میں تاخیر کرنے اور روزہ جلد افطار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں اس تشدد اور تعمق میں شامل ہیں جو جاہلیت کے کام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "جب شعبان کا مہینہ آدھا گذر جائے تو روزہ نہ رکھو" اور ام سلمہؓ کی اس حدیث میں کہ حضورؐ رمضان اور شعبان میں متواتر روزے رکھتے، کوئی تعارض نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بعض ایسے افعال کرتے تھے جن سے اپنی امت کو منع فرماتے۔ یہ ممانعت تعمق اور تحریف کے سدباب کے لیے ہوتی ہے، یا اصول قائم کرنے کے لیے۔ آپؐ اس بات سے مامون تھے کہ کسی چیز کو بے محل کریں یا حد سے تجاوز کریں کہ ضعفِ جسمانی یا ملالِ خاطر پیدا ہو، لیکن آپؐ کے سوا اور کوئی شخص مامون نہیں ہے، اس لیے باقی سب کے لیے ضروری ہوا کہ تشریع کے ذریعہ تعمق کا دروازہ بند کیا جائے۔

رویتِ ہلال کے ثبوت کے لیے ایک مسلمان کی شہادت کافی سمجھی گئی، وہ عادل ہو یا مستور الحال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورتوں میں عمل فرمایا۔ ایک اعرابی آیا اور کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپؐ نے اس سے (صرف یہ) پوچھا، کیا تم گواہی دیتے ہو (کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے۔ فرمایا، اے بلالؓ! لوگوں میں منادی کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔) ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ نے گواہی دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، تو آپؐ نے روزہ

رکھ لیا۔ ملت کے سارے معاملات کے بارہ میں یہی حکم ہے (کہ غیر ضروری تحقیق و تفتیش سے اجتناب کیا جائے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔"

سحری میں دو برکتیں ہیں۔ ایک برکت جسم کے لیے ہے کہ وہ کمزور نہیں ہوتا۔ روزہ کا مقصد پورا کرنے کے لیے پورے ایک دن کھانے پینے اور شہوت سے رکنا کافی ہے۔ لہٰذا اس میں اضافہ نہ کرنا چاہیے۔ دوسری برکت کا تعلق تدبیرِ دینی سے ہے۔ وہ یہ کہ لوگ دین میں تعمق نہ کریں' اور اس میں تحریف و تغیر نہ داخل ہو۔ اسی لیے آپؐ نے مزید فرمایا کہ "جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے' ان کی حالت اچھی رہے گی" ۔ نیز یہ کہ "ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے۔" ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے"۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان معاملات میں اہلِ کتاب نے تحریف کی ہے' اس لیے ان سے مختلف رہنے اور ان کی داخل کردہ تحریف کو رد کرنے سے ملت صحیح راہ پر قائم رہے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ وصال سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت بھی دو مقاصد کے لیے ہے۔ ایک یہ کہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ دین میں تحریف نہ ہو۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی جب اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں برتن ہو تو وہ اس کو رکھ نہ دے۔ بلکہ اپنی حاجت پوری کر لے"۔ اذان سے مراد حضرت بلالؓ کی اذان ہے جس سے وہ سحری کا وقت ختم ہو جانے کا اعلان کرتے تھے۔ (یہ ہدایت بھی تشدد و تعمق سے بچنے کے لیے ہے)۔

آپؐ کی یہ ہدایت کہ آدمی کھجوروں یا پانی سے افطار کرے' اس لیے ہے کہ انسان طبعاً میٹھی چیز کی طرف میلان رکھتا ہے' خصوصاً بھوک کی حالت میں۔ جگر بھی شیریں چیز کو پسند کرتا ہے' اور اہل عرب کی طبائع کھجور کو مرغوب رکھتی ہیں۔ ایسے امور میں طبیعت کے میلان کا اثر پڑتا ہے اور غذا صحیح طور پر ہضم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی برکت کی ایک قسم ہے۔

افطار کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ "ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ" ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جن باتوں کو انسان بالطبع مرغوب رکھتا ہے' یا اس کی عقل ان کو پسند کرتی ہے' ان کے حصول پر بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور ایک دعا یہ ہے کہ "اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ"۔ اس دعا میں اخلاصِ عمل اور

شکرِ نعمت کی تاکید ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب کوئی آدمی جمعہ کے دن روزہ رکھے تو اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھے۔" اور آپؐ نے فرمایا کہ "جمعہ کی رات کو قیام کے لیے اور دن کو روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو"۔

ان ہدایات کا راز دو حکمتوں میں ہے۔ ایک حکمت یہ ہے کہ تعمق کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ شارع نے جمعہ کے دن کے لیے بعض عبادات مخصوص کی ہیں' اور اس کی فضیلت بھی بیان کی ہے۔ جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص کرنے میں اس بات کا امکان تھا کہ تعمق کرنے والے اس دن کے روزہ کو بھی انھی عبادات میں شمار کرلیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی حقیقت بحیثیت عید کے دن کے برقرار رہے۔ عید خوشی منانے اور لذت حاصل کرنے کا دن ہوتا ہے۔ اور جمعہ کو عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اس دن کا اجتماع لوگوں کے لیے ایسا اجتماع بن جائے جس میں وہ بغیر جبرو اکراہ کے' پوری رغبت کے ساتھ شریک ہوں۔ جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو لازمی قرار دینے سے یہ حکمت مجروح ہوتی ہے۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ "عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں"۔ اور یہ بھی کہ "ایامِ تشریق کھانے پینے اور ذکرِ الٰہی کے دن ہیں"۔ ان ہدایات میں بھی یہی حکمت ہے کہ عید کے دنوں کی یہ حقیقت برقرار رہے کہ یہ خوشی کے دین ہیں' اور زہدِ خشک اور دین میں تعمق سے بچایا جائے۔

اس حدیث میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں مسواک کرتے تھے جس سے منہ کی بو زائل ہوتی ہے' اور آپؐ کے اس ارشاد میں کہ روزہ دار کے منہ کی یہ بو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے' کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرے قول میں مبالغہ کا اسلوبِ بیان ہے۔ گویا کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اگر اس کے منہ میں بدبو بھی پیدا ہو جائے تو وہ بھی اس محبت کی وجہ سے اسے محبوب ہے (نہ یہ کہ روزہ دار کے منہ میں جو بدبو پیدا ہوتی ہے اسے زائل نہ کیا جائے)۔

یہ وہ بعض حکمتیں ہیں جو احکامِ صوم کے باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ (ترجمہ و ترتیب : خرم مراد)

رمضان کی حقیقت

(۱)

یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے' خدائے پاک نے عالمِ روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام' قانون اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لیے قاتل ہے' اسی لیے یقین کے ساتھ طبِ روحانی کا واقف کار کہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے۔ پیغمبر فیضانِ نبوت کے قبول کے لیے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے' دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے' معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے' اور اپنے دعویٰ کو وہ کس طرح پیش کرتا ہے' انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہے' اور ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر "سنتہ اللہ" کا لفظ آیا ہے' لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے' بعینہٖ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار اعادہ سے خصائصِ نبوت کا اصولِ قانون ہمارے لیے مرتب کرتی ہیں۔

پیغمبرانہ تاریخ کے ان ہی اصول و قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ نبی جب اپنے کمالِ انسانیت کو پہنچ کر فیضانِ نبوت کے قبول اور استعداد کا انتظار کرتا ہے' تو وہ ایک مدت تک کے لیے عالمِ انسانی سے الگ ہو کر ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی وقت سے اس کے دل و دماغ میں وحیِ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے۔ کوہِ سینا کا پُر جلال پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) جب توراۃ لینے جاتا ہے تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے ا۔ کوہ سعیر کا مقدس آنے

والا (حضرت عیسیٰؑ) ، اس سے پہلے کہ اس کے منہ میں انجیل کی زبان گویا ہو ، وہ چالیس روز و شب بھوکا اور پیاسا رہا ۲۔ اسی طرح فاران کا آتشیں شریعت والا پیغمبر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نزولِ قرآن سے پہلے پورے ایک مہینہ حراء نامی مکہ کے ایک غار میں ہر قسم کی عبادتوں میں مصروف رہتا ہے ، اور بالآخر اسی اثناء میں ناموس اکبر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کا مژدہ جانفزاء لے کر نمودار ہوتا ہے ۳۔

یہ واقعہ کس ماہ مبارک کا تھا؟

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ ۲ :) رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن اترا۔

یہ کس شبِ اقدس کی داستان ہے؟

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان ۴۴ : ۳) ہم نے قرآن کو ایک برکت والی رات میں اتارا۔

اس مبارک شب کو ہم کس نام سے جانتے ہیں؟

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر - ۱) ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا۔

ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن سب سے پہلی بار دنیا میں نازل ہوا ، اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کو عالم کی رہنمائی اور انسانوں کی دستگیری کے لیے دستور نامۂ الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ عنایت کیا گیا۔ قرآن کا حامل اور اس وحی الٰہی کا مہبط ان دنوں ایک غار کے کونے میں یکہ و تنہا بھوکا اور پیاسا ۴۔ سربہ زانو تھا۔ اس بناء پر اس ماہ مقدس میں بھوکا اور پیاسا رہنا (روزہ) ، کسی عبادت گاہ میں یکہ و تنہا رہنا (اعتکاف) ، نزول وحی کی رات میں (لیلۃ القدر) بیدار و سر بسجود رہنا ، تمام پیروانِ محمدیؐ کے لیے ضروری تھا کہ۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران - ۳)

اگر تم خدا کو پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو ، خدا تمھیں پیار کرے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت اسلام میں کیا ہے ، اور رمضانِ مبارک میں روزوں کی تخصیص اسلام میں کس بناء پر ہے۔ اس لیے اس ماہِ اقدس میں بقدرِ امکان ان ہی حالات و جذبات میں متکیف ہونا چاہیے ، جس میں وہ حاملِ قرآن متکیف تھا ، تاکہ وہ دنیا کی ہدایت یابی ، اور رہنمائی کی یادگار تاریخ ہو۔ یہ کیفیات و حالات جن کو قرآن کے

مبلغ کی پیروی میں ہم اپنے اوپر طاری کرتے ہیں ' یہی اس ہدایت کے ملنے پر ہماری شکر گذاری اور خدا کی بڑائی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روزہ کی فرضیت سے سب سے پہلا مقصد انبیاء علیہم السلام کے ان متبرک و مقدس ایام کی تقلید اور پیروی ہے ۔ یہودی بھی حضرت موسیٰؑ کی پیروی میں ۴۰ دنوں کا روزہ مناسب ' اور صرف چالیسویں دن کا روزہ فرض سمجھتے ہیں ۔ عیسائیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ کی تقلید اور پیروی میں یہی چاہیے تھا ' مگر انھوں نے پال کی پیروی میں جیسے حضرت عیسیٰؑ کے اور احکام و سنن کی اتباع نہیں کی ' اس کی بھی نہ کی ۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے رسولؐ کی پیروی میں یہ چند دن اسی طرح گذاریں ' چنانچہ فرمایا '

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔
(البقرۃ : ۲)

اے مسلمانو ! جیسے تم سے پہلے لوگوں پر (ان کے رسولوں کی پیروی ' اور ہدایت ملنے کے شکریہ میں) روزہ فرض کیا گیا تھا ' تم پر بھی فرض کیا گیا۔

دینِ الٰہی کی تکمیل ' نبوت کے اختتام ' اور تعلیم محمدی کے کمال کی یہ بھی بڑی دلیل ہے کہ گذشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس سبق کو چند ہی روز میں بھلا دیا ' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں اور کروڑوں امت اس کو اب تک یاد رکھے ہوئے ہے ' اور اپنے رسولؐ کی پیروی میں وہ بھی ایک مہینہ تک اسی طرح دن کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے اپنے کو پاک رکھتی اور ملکوتی زندگی بسر کرتی ہے۔

یہ روزہ انبیاء علیہم السلام کی صرف پیروی اور تقلید ہی نہیں ' بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کا ' جو اس نے پیغمبرِ صادق کے ذریعہ انسانوں پر کیا ' شکریہ ہے اور اس کی احسان شناسی کا احساس ہے ۔ وہ کتابِ الٰہی ' وہ تعلیمِ ربانی ' وہ ہدایتِ روحانی ' جو ان ایام میں انسانوں کو عنایت ہوئی ' جس نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلماتی سے نورانی بنایا ' پستی و ذلت کے عمیق غار سے نکال کر ان کو اوجِ کمال تک پہنچایا ' ان کی وحشت کو تہذیب و اخلاق سے ' ان کی جہالت کو علم و معرفت سے ' ان کی نادانی کو حکمت و دانائی سے ' اور ان کی تاریکی کو بصیرت اور روشنی سے بدل دیا ' جس نے ان کی قسمتوں کے پانسے الٹ دیئے اور فضل و دولت اور خیر و برکت کے خزانوں سے ان کے کاشانوں کو معمور کر دیا ' جس نے ذرۂ بے مقدار کو آفتاب اور مشتِ خاک کو ہمدوشِ ثریا بنا دیا ' قرآن پاک اپنے ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف

اشارہ کرتا ہے۔ ”اور (یہ رمضان کا روزہ) اس لیے (فرض ہوا) تاکہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ تم کو اس نے ہدایت دی' اور تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔“

اس ہدایتِ ربانی اور کتابِ الٰہی کے عطیہ پر شکر گزاری کا یہ رمزو اشارہ ہے کہ اس مہینہ کی راتوں میں مسلمان اس پوری کتاب کو نمازوں (تراویح) میں پڑھتے اور سنتے ہیں' اور اس مہینہ کے خاتمہ پر اللہ اکبر! اللہ اکبر! کا ترانہ بلند کرتے ہوئے عید گاہوں میں جاتے' اور خوشی و مسرت کے ولولوں کے ساتھ عید کا دوگانہ شکر ادا کرتے ہیں۔

(سیّد سلیمان ندوی 'سیرۃ النبیؐ' جلد پنجم صفحہ ۲۶۶-۲۶۸' ۲۸۸-۲۸۹)

(۲)

رمضان کے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے روزوں کے لیے کیوں منتخب فرمایا؟ اس انتخاب کی حکمت اس طرح واضح کی گئی ہے کہ یہی مبارک مہینہ ہے جس میں دنیا کی ہدایت کے لیے قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس ہدایت کے متعلق فرمایا کہ یہ ہدایت بھی ہے' اور اس میں ہدایت اور فرقان کی بینات بھی ہیں۔ یعنی یہ صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ' عقل کی رہنمائی اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لیے وہ واضح اور قاطع حجتیں بھی اپنے اندر رکھتی ہے جو کبھی کم نہ ہونے والی نہیں ہیں۔ بینات سے مراد واضح' دل نشین اور ہر الجھن کو دور کر دینے والے براہین و حجج ہیں۔ قرآن صرف حلال و حرام بتانے کا ضابطہ ہی نہیں ہے' بلکہ حجج و بینات کا کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ بھی ہے۔ اس وجہ سے یہ رہتی دنیا تک عقلِ انسانی کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا تاکہ بندے اس میں اپنے نفس کی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات سے آزاد ہو کر اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں' اور اپنے قول و فعل' اپنے ظاہر و باطن' اور اپنے روز و شب' ہر چیز سے اس حقیقت کا اظہار و اعلان کریں کہ خدا اور اس کے حکم سے بڑی ان کے نزدیک اس دنیا کی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

غور کرنے والے کو اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں پیش آسکتی کہ خدا کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقل ہے' اور عقل سے بھی بڑی نعمت قرآن ہے۔ اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو عقل سائنس کی ساری دور

بنیں اور خرد بینیں لگا کر بھی اندھیرے ہی میں بھٹکتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی وہ سزاوار تھا کہ وہ خدا کی تکبیر اور اس کی شکر گزاری کا خاص مہینہ ٹھہرا دیا جائے' تاکہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر و قیمت کا اعتراف ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ اس شکر گزاری اور تکبیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزوں کی عبادت مقرر فرمائی' جو اس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس پر تمام دین و شریعت کے قیام و بقا کا انحصار ہے' اور جس کے حاملین ہی کے لیے در حقیقت قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے' جیسا کہ اس سورہ کی بالکل پہلی ہی آیت میں اس نے خود یہ حقیقت واضح فرما دی ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (یہ آسمانی کتاب ہے' اس کے آسمانی ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش نہیں ہے' یہ متقیوں کے لیے ہدایت بن کر نازل ہوئی ہے)۔ گویا اس حکمتِ قرآنی کی ترتیب یوں ہوئی کہ قرآن حکیم کا حقیقی فیض صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو' اور اس تقویٰ کی تربیت کا خاص ذریعہ روزے کی عبادت ہے' اس وجہ سے ربِ کریم و حکیم نے اس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اس دنیا کے لیے بہار ہے' اور رمضان کا مہینہ موسم بہار اور یہ موسم بہار جس فصل کو نشو و نما بخشتا ہے وہ تقویٰ کی فصل ہے۔

(امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' جلد اوّل' صفحہ ۴۵۰ - ۴۵۱)

۱- خروج ۳۴' ۲۸

۲- متی ۴ - ۲

۳- صحیح بخاری حدیث بدء الوحی' ایک ماہ کا بیان صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء نزول وحی میں اور سیرت ابن ہشام بدء بعثت میں ہے۔

۴- روایات سے اگرچہ بتصریح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ غار حرا میں روزے رکھتے تھے۔ تاہم قرائن و اشارات سے سمجھا جاتا ہے کہ آپؐ اور عبادات کے ساتھ غار حراء میں روزے بھی رکھتے تھے' جیسا کہ بخاری (بدء الوحی) اور سیرۃ ابن ہشام سے واضح ہے کہ آپ ان دنوں میں تحنث اور اعتکاف کرتے تھے' جس کا ایک جز روزہ ہے' آج کل کے بعض علمائے مصنفین نے بھی ان قرائن سے یہی سمجھا ہے کہ آپؐ دنوں روزہ سے رہتے تھے' (دیکھو خضری مصری کی التشریع الاسلامی ۶ و ۴۳)

روزہ کے آداب و حقیقت

افادات: امام ابو حامد محمد غزالیؒ

روزہ کے تین درجے ہیں۔ ایک عام آدمی پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش پوری کرنے سے رکا رہے تو اس کا روزہ ظاہری شرائط کے مطابق صحیح ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ یہ ہے کہ آنکھ' کان' ہاتھ' پاؤں اور دیگر اعضا کو گناہ کرنے سے روکے۔ روزہ کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ دل کو گناہ کے ارادوں اور دنیا کی فکروں سے دور رکھے' اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے اس کو خالی کر دے۔ اللہ اور آخرت کے سوا کسی اور چیز کی' اور دنیا' کی فکر میں مشغول ہونے سے اس درجہ کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے (یعنی روزہ کا کمال جاتا رہتا ہے)۔ ہاں' اگر دنیا کی فکر دین کی خاطر ہو' تو ایسی فکرِ دنیا سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ایسی دنیا آخرت کے لیے زادِ راہ کا حکم رکھتی ہے۔

حقیقی روزہ کے لیے' جو اعضا کو گناہوں سے روکتا ہے' چھ (۶) آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حقیقی روزہ کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ نظر نیچی رکھے۔ جن چیزوں کی طرف نگاہ ڈالنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے' ان کی طرف نگاہ کو نہ جانے دے۔ جن چیزوں کو دیکھنے سے دل بھٹکتا ہو اور اللہ کی یاد سے غفلت طاری ہوتی ہو' ان کو نہ دیکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نظر ڈالنا (ایسی چیزوں پر جن سے اللہ نے روکا ہے) شیطان کے تیروں میں ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ جو کوئی اللہ کے خوف سے نگاہِ بد سے رک جائے' اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان کی حلاوت کا مزا عطا کرے گا۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پانچ چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک جھوٹ' دوسرے غیبت' تیسرے چغلی' چوتھے جھوٹی قسم' اور پانچویں شہوت کی نظر۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ زبان سے بے ہودہ بات نہ کرے' جھوٹ نہ بولے' غیبت نہ کرے' چغلی نہ کھائے' فحش گفتگو نہ کرے' ظلم کی بات نہ کرے' جھگڑا نہ کرے' یا بات نہ کاٹے۔ زبان کا روزہ یہ ہے کہ خاموش رہے' ان گناہوں سے بچے' اور اسے اللہ کی یاد اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رکھے۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مجاہدؒ نے کہا کہ دو چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' ایک غیبت' دوسرے جھوٹ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے بچاؤ کے لیے)۔ تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ فحش بکے نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے' نہ چیخے چلائے' اور اگر کوئی گالی دے یا لڑنے پر اتر آئے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ دن گزرنے کے ساتھ' بھوک اور پیاس کی شدت سے ان کی حالت خراب ہو گئی۔ انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں آدمی بھیجا' اور افطار کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اس آدمی کو ایک پیالہ دیا' اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے کہنا کہ جو کچھ تم نے کھایا ہے اس پیالہ میں قے کر دو۔ ایک عورت نے قے کی تو آدھا پیالہ تازہ گوشت اور خون سے بھر گیا' دوسری نے قے کی تو پیالہ پورا بھر گیا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے اس غذا سے تو روزہ رکھا جو اللہ نے حلال کی ہے' اور جو چیز اس نے حرام کی ہے اسے کھاتی رہیں۔ ایک دوسرے کے پاس بیٹھیں تو دونوں نے لوگوں کی غیبت شروع کر دی۔ دونوں نے لوگوں کا جو گوشت کھایا تھا' وہی گوشت پیالے میں ہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ کانوں کو بری بات سننے سے روکے۔ اس لیے کہ جن باتوں کا زبان سے نکالنا حرام ہے' ان کا سننا بھی حرام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کانوں سے جھوٹ سننے والوں اور حرام کا مال کھانے والوں کا ذکر ساتھ ساتھ فرمایا ہے۔ (سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدہ ۵:۴۲) یہ کان لگا کر جھوٹ سننے والے' اور حرام کا مال کھانے والے۔ اسی طرح اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا'

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (المائدہ ۵:۶۳)

کیوں ان کے علماء اور مشائخ انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے۔

غیبت سننا اور خاموش رہنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' پھر تو تم بھی انھی کی طرح

ہوئے۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا' غیبت کرنے والا اور سننے والا' دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو گناہوں سے روکے' اور افطار کے وقت پیٹ کو ایسے کھانے سے بچائے جس کے بارے میں حرام ہونے کا شبہ بھی ہو۔ اگر دن بھر تو وہ کھانا بھی نہ کھائے جو حلال ہے' اور افطار حرام کھانے سے کرے' تو کیا روزہ ہوا؟ ایسے روزہ دار کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص محل تعمیر کرے مگر پورے شہر کو منہدم کر دے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کھایا جائے تو حلال کھانا بھی روح کے لیے مضر ہوتا ہے۔ اسی لیے روزہ کھانا کم کرنے کی تربیت کرتا ہے۔ وہ بہت بے وقوف ہو گا جو دوا تو زیادہ نہ کھائے کہ ضرر سے بچے' لیکن زہر کھا لے۔ حرام کھانا زہر ہے جو دین کو برباد کرتا ہے' حلال کھانا ایک دوا کی طرح ہے جس کا کم کھانا مفید ہے اور زیادہ کھانا مضر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنھیں اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ بعض کہتے ہیں یہ وہ روزہ دار ہے جو حرام کھانے سے روزہ افطار کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ کے دوران طعامِ حلال سے تو رکا رہے' لیکن لوگوں کا گوشت کھاتا رہے' یعنی غیبت کرتا رہے جو حرام ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے اعضا کو گناہ سے نہ بچائے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی کم ہی کھائے۔ اتنا نہ کھا جائے کہ پیٹ پھول جائے۔ اس لیے کہ اللہ کے نزدیک حلق تک بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی بھر جانے والی چیز نہیں' اگرچہ کھانا حلال ہو۔ شیطان پر غالب آنے اور شہوت کا زور توڑنے میں روزہ سے کیا مدد ملے گی اگر روزہ دار افطار کے وقت دن بھر کی بھوک پیاس کی تلافی کر دے اور ایک وقت میں اتنا کھا لے جتنا دن بھر میں کھاتا تھا۔ افطار کے وقت کھانے کی انواع و اقسام بھی زیادہ ہوتی ہیں' اور یہ عادت بھی عام ہے کہ رمضان کے لیے پہلے سے سامان خورد و نوش جمع کیا جائے۔ چنانچہ رمضان کے دنوں میں اچھے اور نفیس کھانے اتنے زیادہ کھا جاتے ہیں کہ اور دنوں میں کئی مہینے بھی نہ کھائیں۔

ظاہر ہے کہ روزہ کا مقصود تو خالی پیٹ رہنا اور خواہشِ نفس کو قابو میں رکھنا ہے' تاکہ نفس میں تقویٰ پیدا ہو۔ اب اگر کوئی صبح سے شام تک تو معدہ خالی رکھے یہاں تک کہ بھوک اور خواہش خوب بڑھ جائیں' پھر لذیذ کھانوں سے خوب پیٹ بھر لے' تو نفس کی خواہشات اور

لذتیں دوبالا ہو جائیں گی' اور ایسی خواہشات بھی بیدار ہو جائیں گی جو روزہ نہ رکھتا تو نہ ابھرتیں۔ روزہ کی روح اور اس کا مقصد نفس کے ان میلانات کو کمزور کرنا ہے جو گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں' اور جن کو شیطان گناہوں میں مبتلا کرنے کا وسیلہ بناتا ہے۔ یہ میلانات کھانا کم کیے بغیر کمزور نہیں ہو سکتے۔ یعنی شام کو اتنا ہی کھائے جتنا بغیر روزہ کے کھاتا تھا۔ اگر دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا ایک ساتھ کھا لیا تو روزہ کا پورا فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

بلکہ بہتر یہ ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے' تاکہ بھوک پیاس کا مزہ محسوس ہو اور قویٰ میں بھی کمزوری کا احساس ہو۔ اسی طرح رات کو بھی اپنا پیٹ اتنا خالی رکھے کہ تہجد اور دیگر وظائف میں آسانی ہو' شیطان دل کے پاس نہ آنے پائے' اور عالمِ ملکوت کے دیدار سے فیض یاب ہو سکے۔

شبِ قدر میں (جب اللہ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں) عالمِ ملکوت کا دیدار ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ) میں فرمایا ہے۔ جو اپنا پیٹ اتنا بھرے کہ پیٹ دل اور سینے کے درمیان حجاب بن جائے' اس کے اور عالمِ ملکوت کے درمیان بھی حجاب حائل ہو جائے گا۔ اگرچہ صرف پیٹ کا خالی رکھنا بھی کافی نہ ہو گا' جب تک وہ اپنی فکر اور ارادہ کو اللہ کے علاوہ ہر مقصود سے خالی نہ کر لے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ روزہ افطار کرنے کے بعد خوف و رجا کی کیفیت طاری ہو۔ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا روزہ قبول فرمائے گا اور اسے مقربین میں شامل کرے گا۔ ساتھ ہی ڈرے کہ شاید اس کا روزہ قبول نہ کیا جائے اور وہ اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر عبادت سے فارغ ہونے کے بعد یہی کیفیت ہونا چاہیے۔

یہ روزہ کے وہ چھ آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنے ہی سے روزہ حقیقی معنوں میں صحیح ہوتا ہے۔ جو شخص صرف کھانے پینے اور شہوت سے رک جانے کو کافی سمجھتا ہے' فقہاء اس کے روزہ کو' ظاہری شروط کے لحاظ سے ' صحیح کہتے ہیں۔ اس لیے کہ قانونی طور پر ظاہری شروط کے مطابق ہی حکم لگایا جا سکتا ہے' تاکہ روزہ کا اطلاق ہر کس و ناکس پر ہو سکے۔ لیکن وہ علماء جو آخرت پر نگاہ رکھتے ہیں' ان کے نزدیک روزہ کے صحیح ہونے کا مطلب آخرت میں اس کا قبول ہونا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی بھوک اور پیاس اور شہوت سے بے نیاز ہو کر' اخلاقِ الٰہیہ میں سے خلقِ صمدیت کا پرتو اپنے اندر پیدا کر لے۔ اور فرشتوں کی طرح' کہ وہ خواہشات سے پاک ہیں' اپنی خواہشات پوری کرنے سے دستکش ہو جائے۔

پس ایسے روزہ سے کیا حقیقی فائدہ ہو سکتا ہے کہ آدمی ایک وقت کا کھانا تو چھوڑ دے مگر شام کو دونوں وقت کا کھانا ساتھ کھا لے' اور دن بھر نفس کی دیگر خواہشات پوری کرنے میں لگا رہے؟ اگر ایسا روزہ بھی مفید مطلب ہوتا' تو اس حدیث کے کیا معنی ہیں کہ کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا؟ ابو درداؓ کہتے ہیں کہ عقلمند آدمی کا سونا اور روزہ نہ رکھنا بھی خوب ہے' اور بے وقوف آدمی کا روزہ رکھنا اور جاگنا بھی برا ہے! کہا گیا ہے کہ یقین اور تقویٰ کے ساتھ ذرہ برابر عبادت' غلط کاریوں کے ساتھ کی ہوئی پہاڑ کے برابر عبادت سے افضل ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ بہت سے روزہ دار درحقیقت بے روزہ ہوتے ہیں' اور بہت سے بے روزہ' روزہ دار۔ بے روزہ روزہ دار وہ ہیں جو کھاتے پیتے تو ہیں مگر اپنے اعضا کو گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور روزہ دار بے روزہ وہ ہیں جو کھانے پینے سے تو رک جاتے ہیں' لیکن اپنے اعضا کو گناہوں سے نہیں روکتے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے' روزہ ایک امانت ہے' اور ہر ایک کو اپنی امانت کی حفاظت کرنا چاہیے۔ جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی کہ (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو' تو اپنے دست مبارک کو اپنے کان اور آنکھ پر رکھا' اور فرمایا کہ کان سے سننا اور آنکھ سے دیکھنا بھی امانت ہے۔ سننا اور دیکھنا روزہ کی بھی امانت ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا' اگر کوئی تم سے لڑائی کرے تو کہہ دو کہ میں روزہ دار ہوں۔ گویا کہ میری زبان امانت ہے' اب تمہارے لڑائی کرنے سے میں اس میں خیانت کیسے کروں۔

جان لو کہ ہر عبادت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ' ایک پوست ہے اور ایک مغز۔ اب تم کو اختیار ہے پوست پر قناعت کرو اور مغز کو چھوڑ دو' یا دانائی کی راہ اختیار کرو (اور پوست کے ساتھ مغز بھی حاصل کرو)

نفل روزے

رمضان کے علاوہ بعض ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ سال کے دوران یہ ایام عرفہ' عاشورہ اور ذی الحجہ اور محرم کے پہلے عشرے ہیں۔ ہر مہینے میں یہ درمیان کے ایام یعنی تیرھواں ' چودھواں اور پندرھواں دن' اور ہر ہفتے میں یہ پیر اور جمعرات کے دن ہیں۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا اور خیرات کرنا مستحب ہے۔

باقی رہا ہمیشہ روزہ رکھنا' تو کمال کا درجہ تو یہ ہے کہ آدمی روزہ کی حقیقت سمجھے' یہ جانے کہ

روزہ کا اصل مقصود دل کی صفائی اور خدا کا ہو رہنا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھتا ہے اور اپنی اندر کی حالت پر نظر کرتا رہتا ہے' تو کبھی اس کی حالت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ برابر روزہ رکھتا رہے۔ کبھی یہ کہ برابر بے روزہ رہے۔ کبھی یہ کہ روزہ بھی رکھے اور بے روزہ بھی رہے۔ جب آدمی اپنے دل پر نگاہ رکھے اور طریق آخرت پر چلنے کے لیے روزہ کی حد کو سمجھ لے' تو دل کی بہتری کے لیے دوا کی کوئی ترتیب ضروری نہ رہے گی۔ اسی معنی میں یہ حدیث ہے کہ کبھی رسول اللہؐ مسلسل اتنے روزے رکھتے کہ لوگ خیال کرتے کہ اب آپؐ روزہ نہ چھوڑیں گے' اور کبھی مسلسل بے روزہ رہتے کہ لوگ کہتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ کبھی رات کو اس قدر سوتے کہ لوگ سمجھتے کہ اب تہجد نہ پڑھیں گے' اور کبھی اتنا قیامِ لیل کرتے کہ کہا جاتا کہ اب آپ سوئیں گے نہیں۔

(احیاء العلوم' جلد اوّل ۔ ترجمہ و ترتیب : خرم مراد)

بقیہ: رسائل و مسائل

کرتا ہے ۔ اگرچہ اس کا امکان ہے کہ نئے نئے بھرتی ہونے والوں پر اس ٹریننگ کا فوری اثر اضمحلال اور ضعف کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو۔ لیکن دیکھنے کی چیز یہ فوری اثر نہیں بلکہ اس کا مستقل اثر ہے۔ اس کا مستقل اثر یقیناً' اس کو صحیح طور پر برتنے کی شکل میں' یہی ہونا چاہیے کہ انسان کی بلاوت کم ہو' اس کی روح قوی ہو' اس کا دل توانا ہو' اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو' اس کی قوتِ برداشت بڑھ جائے' وہ جہادِ زندگانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پوری طرح تیار ہو جائے۔

(امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' جلد اوّل' ص ۴۶۰ - ۴۶۲)

تصحیح

فروری کی اشاعت میں رسائل و مسائل صفحہ نمبر ۴۳ پر "یعنی ۴۰ فیصد وہ آپ ادا کر دیجیے"۔ کی بجائے "یعنی اڑھائی فیصد (یا ۴۰ واں حصہ) وہ آپ ادا کر دیجیے" پڑھا جائے۔

ماہِ رمضان کا نظام تربیت

نعیم صدیقی

صحیح تصورِ اسلام اور رمضان

رمضان (روزوں کا مہینہ) پر بات کرنے سے پہلے یہ عرض کرتا ہوں کہ ایک سر توڑ مہم اور ایک جان کاہ تگ و تاز کا نام اسلام ہے۔

خدا تعالیٰ کی پکار اور اس کے پیغمبروں کی دعوت پر جن لوگوں کی فطرت سلیم جاگ اٹھتی ہے' ان کے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پکارتے ہی طاغوتی قوتوں کی طرف سے ان کے خلاف ایک لامتناہی جنگ و تصادم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پس آنے والوں سے پہلے قدم پر ہی کہا جاتا ہے کہ آؤ تو سوچ سمجھ کر آؤ' خدا کا ساتھ دینا ہے تو خدا کے باغیوں اور طاغوتوں کو مسترد کر کے آؤ۔ اسلام کے کیمپ میں داخل ہوتے ہوئے خدا سے جانوں اور مالوں' اولادوں اور جائیدادوں' کھیتیوں اور تجارتوں' آسائشوں اور افزائشوں کا ایک ہی بار سودا کر کے آؤ۔

ایمانی عشق کی راہ جو رضائے الٰہی کی جنتوں تک جاتی ہے' سہل نہیں ہے۔ اس کے سالکوں کو بھکاریوں کی طرح دربدر پھرنا پڑتا ہے۔ وہ اگرچہ فرد فرد تک ہدایتِ ربّانی کا نور پہنچاتے جاتے ہیں تو در حقیقت دوسروں پر بڑا احسان کرتے ہیں' مگر انداز ان کا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی سائل کسی کے کوچہ ناز سے اس طرح گزرے کہ اس کے خس و خاشاک کی بھی ناز برداریاں کرے۔ پھر جواب میں کبھی گالیاں' کبھی پتھر! کبھی اپنے بگڑ جاتے ہیں' کبھی مال و متاع چھن جاتے ہیں' کبھی گھر اجڑ جاتے ہیں' کبھی وطن کو الوداع کہہ کہ ہجرت کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے' اور ایسے وقت بھی آتے ہیں جب تلواریں تلواروں سے ٹکرا جاتی ہیں۔ یہ سارا کٹھن راستہ جہاد کا راستہ ہے۔ اس جہاد سے بھی سخت جہاد وہ ہوتا ہے جب اقتدار ہاتھ میں ہوتا ہے اور آدمی ناجائز طور پر کسی کو اف نہیں کہہ سکتا۔ دولت کے انبار ہوتے ہیں لیکن ان کے سب سے

بڑے امانت داروں کو فاقہ مستی میں رہنا پڑتا ہے۔ عدل و قانون کا سارا زور جمع ہو کر ہاتھ آتا ہے مگر ایک ادنیٰ شہری کے کسی حق کو اس سے چھینا نہیں جا سکتا۔ اور ایک معزز ترین اور انتہائی اقرب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جا سکتا۔ تب وہ انصاف قائم ہوتا ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں۔

کتنی عظیم مہم ہے! اس میں عمریں کھپ سکتی ہیں، نسلوں کی محنتیں صرف ہو سکتی ہیں۔ دسیوں بار ناکامیوں اور شکستوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، طرح طرح کی مخالفانہ سازشوں سے سابقہ پڑ سکتا ہے، گرفتاریاں اور قیدیں پیش آ سکتی ہیں۔ قرقیاں اور ضبطیاں ہو سکتی ہیں۔ صلیب و دار کے مراحل پیش آسکتے ہیں۔ ایسی عظیم اور مقدس مہم کے لیے بھرتی ہونے والے افراد کو یونہی نہیں چھوڑا جاتا کہ جاؤ، جیسے تمھارا جی چاہے مزے اڑاؤ، بس اب تمھارا نام درج رجسٹر ہو گیا۔

بلکہ اسلام کے علمبرداروں کو مختلف طریقوں سے عمر بھر زیر تربیت رکھا جاتا ہے۔

اسلام تو غلط ساخت پر بنی ہوئی دنیا کو توڑ کر نئی دنیا از سرِنو تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔ یہ تو جاہلی یا مشرکانہ یا منکرِ خدا تہذیب کا تسلط ختم کر کے نئی خدا پرستانہ تہذیب کا دور شروع کرنے کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ سیاسی ہیئتوں سے لڑائی ہے، رسم و رواج سے لڑائی ہے، اپنی اور اپنوں کی خواہشوں سے لڑائی ہے، لوگوں کی خود ایجاد کردہ شریعتوں سے لڑائی ہے، مذہبی دکانداروں سے لڑائی ہے۔ ایسی بھاری لڑائی لڑنے کے لیے آدمی بس یونہی بغیر کسی تیاری کے نکل کھڑا ہو، یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اسلام فلاحِ انسانیت کی جس عظیم انقلابی مہم پر مشتمل ہے اس کے لیے لبیک کہنے والے ہر سپاہی کو عمر بھر کے لیے ایک ایسے تربیتی کورس کا پابند کیا جاتا ہے جو فکر و عقیدہ کو بھی مسلسل استحکام دیتا ہے، اخلاق و کردار کو بھی اور اجتماعیت کو بھی۔

یہ مہم ایسے لوگوں کے ذریعے سے نہیں چل سکتی جو زبانی دعوے تو شاندار کریں اور عملاً برعکس زندگی گزاریں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، مگر نہ مسلمانوں کے سے فرائض ادا کریں اور نہ پابندیاں قبول کریں۔ اپنی ذاتی خواہشوں کی غلامی کرنے والے لوگ، دن رات دولت اور اسباب دنیا جمع کرنے کے خواب دیکھنے والے لوگ، اسراف و تبذیر میں مبتلا لوگ، رشوتیں کھانے والے اور خیانتیں کرنے والے لوگ، سود کا لین دین اور کاروبار میں ہیر پھیر کرنے والے لوگ، قوت و اقتدار پا کر کمزوروں کو ستانے والے لوگ، اس مہم کے لیے عملاً مفید نہیں

ہو سکتے ' بلکہ الٹا مضر اور مزاحم ہوتے ہیں ۔ اس جان جوکھوں کی مہم کی تیاری کے لیے اسلام نے انسان کو خدا پرستانہ بنیادوں پر خود تسخیری کا جو پروگرام بنا کر دیا ہے اس میں روزے کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

روزے کی حقیقت

ایک روزہ وہ ہے جو روزے کے احکام ' اس کے مقاصد اور تقاضوں کو سمجھے بغیر رکھا جائے' یعنی ایک مشینی سی اطاعت۔ اور اطاعت اپنے اصل معنوں میں نہ ہو تو آبائی یا خاندانی یا سماجی معمول کی رو میں آدمی بہتا رہتا ہے۔

ایک روزہ وہ ہے جو ایمان و احتساب کے ساتھ رکھا جائے' اور یہی مطلوبِ شریعت ہے کہ روزہ آدمی جذبۂ ایمانی کے ساتھ رکھے ' یعنی میں ایک لاشریک خالق و مالک کا بندہ ہوں جو میرا رب اور الہ ہے ' میں اس کی سلطنت میں رہتا ہوں' اس کے رزق پر پلتا ہوں اور میرے لیے اس کی طرف سے امتحانِ وفا یہ رکھا گیا ہے کہ آیا میں اس کی خوشنودی کے لیے اپنی تند خواہشات پر قابو رکھتا ہوں یا نہیں۔

پھر اس روزے کے کچھ مقاصد ہیں جو روزہ فرض کرنے والے آقا نے خود ہی مقرر کیے ہیں' ان مقاصد میں سرِفہرست تقویٰ ہے ' پھر صبر ہے ' پھر قرآن سے ربط و تعلق ہے ' پھر خیانت و دروغ اور غیبت و چغل خوری سے اجتناب ہے 'حرام اشیا اور اعمال سے پرہیز ہے ' پھر صدقہ ہے ' جذبہ جہاد ہے ' دعوت الی اللہ ہے' اور یوں سمجھئے کہ سارے کا سارا دین روزے کے گرد مترتب ہو جاتا ہے ۔ جس نے ایمان و شعور اور خود احتسابی کے ساتھ روزہ رکھا اس نے در حقیقت پورا دین سمیٹ لیا۔

ایمان جہاں روزہ کا اصل محرک ہے ' وہاں وہ ذریعۂ احتساب بھی ہے۔ اسی لیے ان دونوں چیزوں کو جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے ایمان و احتساب کے ساتھ روزے رکھے ' اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے ۔ یعنی ایمان و احتساب والا روزہ معصیت کی دلدل سے نکال کر انسان کو تقویٰ کے بہارستان میں لے آتا ہے ۔ پس روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کا احتساب بھی کرتا رہے کہ اس کے روزے کے مقاصد صحیح طور پر پورے ہوں' اور ایسی متضاد چیزیں روزے کے ساتھ جمع نہ ہوں جو روزے کے مقاصد کو نقصان پہنچاتی ہیں ' یا عند اللہ اسے بالکل ہی کالعدم کر دیتی ہیں۔

روزہ اور خود احتسابی

پہلا نکتہ احتساب یہ ہے کہ صحیح جذبہ ایمانی روزہ کا محرک ہو اور نیتِ خالص کارفرما ہو۔ نیت صرف وہ خالص ہوتی ہے جس کا واحد ہدفِ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو۔ کوئی شائبہ ریا یا خواہش داد و ستد شامل ہو جائے' یا محض کسی شخص یا گروہ کے سامنے اہمیت اختیار کرنا مطلوب بن جائے تو نیت خالص نہیں رہتی۔ نیتِ خالص کے بغیر کوئی بہترین عمل یا ایثار بے برگ و بار ہو جاتا ہے' مثلاً انفاق اور جہاد' یا قربانی اور شہادت جیسی سعادتیں بھی آدمی کو کچھ نہیں دے سکتیں۔

پس ایک روزہ دار مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے قلب کی کیفیت پر نگاہ رکھے اور مسلسل نگرانی کرے کہ دل کی مسند پر رضائے الٰہی کی جگہ کوئی دوسرا جذبہ تو قابض نہیں ہو گیا' کہیں اس کا جی یہ تو نہیں چاہتا کہ جابجا یہ ظاہر کرتا پھرے کہ میں نے روزہ رکھا ہے یا میں بہت قرآن پڑھتا ہوں اور بڑی باقاعدگی سے تراویح ادا کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی موقع پر کسی اہم ضرورت سے ایسی کوئی بات مجملاً بتانی پڑ جائے' لیکن خطرناک معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اندر خواہشِ اعلان و اشتہار موجود ہو۔

دوسرا بڑا نکتہ احتساب یہ ہے کہ جھوٹی بات کہنا یا جھوٹے طرزِ عمل کو اختیار کرنا دین میں سخت ناپسندیدہ چیزیں ہیں ---- اس وجہ سے خاص توجہ دلا کر روزہ دار سے یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ جس طرح دن میں کھانے پینے سے اجتناب کر رہا ہے۔ اسی طرح اپنی مجموعی زندگی سے قولِ زُور اور عمل بالزّور کو خارج کر دے۔

غلط بیانی کرنا' جھوٹی قسمیں کھانا' لوگوں سے فریب کرنا' خیانت کاری اور اس سلسلے کی تمام چیزیں عام حالات میں بھی ممنوع ہیں' لیکن روزہ دار سے یہ چاہا گیا ہے کہ وہ اس پہلو سے اپنے اقوال و اعمال کا خاص دھیان رکھے اور ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو پاک کرے' جو روزہ دار ایسا نہ کرے اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ ایسے شخص کا روزہ محض بھوک پیاس بھگتنا ہے' اور خدا کو اس کی بھوک اور پیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ذرا حضورؐ کے ارشاد پر غور کیجئے' بڑی وعید ہے۔ اگر جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے ہی پرہیز نہ کیا جائے تو پھر روزہ دار کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔

در اصل حدیث کے یہ الفاظ "قول الزُّورِ والعملِ بہ" ایسے جامع الفاظ ہیں کہ نہ صرف غیبت اور دشنام کو محیط ہیں بلکہ ہر قسم کی خیانت اور بد عنوانی اور حرام خواری کو بھی حاوی ہیں۔

مالِ حرام اور خیانت و ظلم سے اجتناب

روزہ دار کو اپنی پوری زندگی ' اپنے املاک ' اپنے کاروبار اور اپنی سرگرمیوں پر نگاہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اس کے ہاں "اکل اموال بالباطل" کی کوئی شکل تو موجود نہیں ہے ؟ سود یا قمار یا ملازمین اور محنت کاروں کے استحصال سے ناجائز فائدہ تو حاصل نہیں کیا جا رہا ؟ کوئی حرام جائداد تو نہیں ہے ؟ کوئی ناجائز ذریعہ مفاد تو کام نہیں کر رہا ؟ کسی کی امانت تو اپنے ذمے نہیں ہے ؟ کسی کا قرض تو واجب الادا نہیں ہے ؟

ایک سچے روزہ دار کا کام یہ ہے کہ وہ اگر اپنے دائرہ حیات میں خیانت یا بدعنوانی یا ظلم کا کوئی شائبہ بھی پاتا ہو تو اسے ترک کر دے ' اور کسی کا حق مارا ہو تو حق دار کو اس کا حق واپس پہنچا دے ۔ صرف اتنی روزی سے کام چلائے جس کے متعلق اسے تسلی ہو کہ یہ قولی اور عملی زُور سے پاک ہے۔

نہ دیکھے کہ اس کے ساتھ بیٹھنے والے کیا کیا فائدے بے تحاشا اٹھا رہے ہیں ' نہ پروا کرے کہ ادنیٰ ادنیٰ لوگ کیسی کیسی آسائشیں سمیٹ رہے ہیں ' آنکھوں کو نہ جھکنے دے بڑی بڑی عمارتوں اور گاڑیوں اور مشینوں اور پلاٹوں اور بنک بیلنسوں کے سامنے۔

جائز و ناجائز کی حدود سے آزاد ' دولت کا یہ پورا گندا کھیل آدمی اور اس کے خدا کے درمیان ایک دیوار بن گیا ہے۔ آدمی کو اس دور نے کمانے اور کھانے کی ایسی مشین بنا دیا جس کی پوری قوتیں اور جس کا سارا وقت روپے کے گرد طواف کرنے میں گزر جاتا ہے ۔ اس حائل شدہ دیوار کو ڈھانا مومن کا کام ہے' اور یہ کام روزہ داری کی حالت میں خصوصیت سے ہونا چاہیے ۔

دولت پرستی کی دیوار کو ڈھانے کے لیے رمضان میں صدقہ کرنے کی خصوصی ترغیب دلائی گئی ہے ۔ صدقہ اس شکل میں بھی کہ لوگوں کا روزہ افطار کر دینے میں خرچ کیا جائے ۔ دوستوں اور مستحقین کے کھانے کے انتظام کیا جائے۔ اہلِ احتیاج کے لیے کپڑوں ' جوتوں یا دوا کا بندوبست کیا جائے ' طالب علموں کے لیے فیسوں اور کتابوں کی فراہمی کی صورت میں مدد کی جائے' قیدیوں کو جیل میں کھانا' کپڑا یا دوسری ضروریات پہنچائی جا سکتی ہوں تو پہنچائی جائیں ' ہسپتالوں میں اگر نادار مریضوں کو دوا ' غذا ' پھلوں یا کسی دوسرے ضروری سامان کی شکل میں مدد دی جا سکے تو دی جائے ۔ سرزمینِ پاکستان کے روزہ داروں کی خاص توجہ مجاہدین و مہاجرین کشمیر و افغانستان کی بے وطنی و بے کسی پر بھی ہونی چاہیے ۔ رمضان کے اختتام پر فطرانہ بھی دینا لازم

ہے۔ بعض لوگ تو زکوٰۃ بھی پابندی سے رمضان ہی میں ادا کرتے ہیں۔

صدقہ کی یہ ساری صورتیں روزہ دار کی روح کو توانا کرتی ہیں اور انسان اور خدا کے درمیان دنیوی مادیت کی حائل شدہ دیوار کو گرا کر بندہ و آقا میں قرب پیدا کرتی ہیں۔

تیسرا نکتہ احتساب یہ ہے کہ روزہ دار کو خیال رکھنا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ لڑے جھگڑے نہیں ۔ لڑنا جھگڑنا یوں بھی اچھا رویہ نہیں ہے ' لیکن روزے کی حالت میں تو یہ عین روزے کی اسپرٹ کا نقیض ہے۔

چونکہ روزہ دار پر بھوک پیاس کی حالت میں ایک کرب طاری ہوتا ہے ' اس کے اعصاب متاثر ہوتے ہیں اوراس میں آسانی سے جذباتی ہیجان پیدا ہو سکتا ہے ' اس لیے حضورؐ نے بطور خاص متنبہ کر دیا کہ روزہ دار سے اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تب بھی اسے معذرت کر دینی چاہیے۔ وہ صاف کہہ دے کہ بھائی میں اس میدان کا مرد نہیں ہو سکتا ۔ ضرورت ہو تو اپنی معذرت کو واضح کرنے کے لیے مجملاً یہ بتا بھی دے کہ میں روزے سے ہوں ۔ یعنی میں نے ایک بھاری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور مجھ پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے سخت قدغن لگی ہوئی ہے۔ میں ایک بگٹٹ اور آزاد رو آدمی نہیں ہوں کہ جو چاہوں کروں ۔ مجھ پر اصل پابندی تو ایمان کی تھی ہی ' اب مزید ایک پابندی روزہ کی وجہ سے ہے ۔

یہ بھی صبر کا ایک بڑا مظہر ہے کہ آدمی دوسروں سے نہ صرف یہ کہ جھگڑا نہ کرے بلکہ دوسرے اگر بد کلامی اور تلخ مزاجی کا مظاہرہ کریں تب بھی بچ بچا جائے۔

اس مہینے سے فائدہ اٹھایئے

اس مہینے میں جب کہ غول شیطانی کی یورش کم ہو جاتی ہے ' ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے دل کی دنیا تک رسائی حاصل کریں ۔ سحری کے وقت ' خلوت معدہ کے وقت ' افطاری کے وقت اور تراویح کے وقت اپنا احتساب کرنا زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں آدمی کو اپنے خلاف ناقد اور محاسب بن جانا چاہیے۔ ان تمام زہریلے کانٹوں کو دل سے چن چن کر نکالنا چاہیے جو اسے جبار و متکبر اور (جیوس ؟) و قنوط بناتے ہیں۔ اس مقدس مکان میں سے ہر ناپاک چیز کو نکال کر باہر پھینک دیجئے۔ اس میں جھاڑو دیجئے ' چھڑکاؤ کیجئے اور آنسوؤں کے چراغ جلایئے ۔

تقلیلِ غذا وسیلۂ صحت

حکیم محمد سعید

کھانے پینے میں اگر انسان احتیاط اور اعتدال سے کام لے تو صحت برقرار رہتی ہے اس حکمت کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی "کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو"۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسراف سے منع کر کے محض بدل ما یتحلل کے طور پر کھانے پینے کا حکم دیا ہے تاکہ کام اور محنت کے دوران ضائع ہونے والی توانائی بحال ہوتی رہے اور جسم کی ہیئت اور اس کی طبعی کیفیت برقرار رہ سکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسانی فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ غذا مقدار و کیفیت میں ضرورت کے عین مطابق ہو۔ ان دونوں اعتبارات سے غذا میں کسی طرح کا اضافہ اسراف ہو جائے گا جو نہ صرف فطرت کے خلاف ہو گا بلکہ جسم کو مصیبتوں، آلام اور امراض میں مبتلا کرے گا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ:

> "دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں لوگ عام طور پر گھاٹے میں رہتے ہیں ایک صحت اور دوسرے فراغت"۔

مسند میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے:

> "آدمی کو اپنی بھوک سے زیادہ نہ کھانا چاہیے کیوں کہ ابن آدم کو صرف چند لقمے کافی ہوتے ہیں کہ اس کی کمر سیدھی رہے اور وہ بھی اس حساب سے کہ معدے کی گنجائش کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے، دوسرا پانی کے لیے اور تیسرا سانس لینے کے لیے ہو"۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر آدمی باعتبار کم و کیف بقدرِ کفایت غذا پر قناعت کرنے کا خود کو عادی

بنائے تو اس کی آدھی سے زیادہ مشکلات اور آدھے سے زیادہ مسائل از خود نابود ہو جائیں گے۔ زندگی کی بھاگ دوڑ جس نے آج کے ہر انسان کو ہلکان کر رکھا ہے اور انسانیت سے اس کا چین اور قرار چھین کر ساری دنیا کو میدانِ کارزار بنا رکھا ہے یہ سب آج کے انسان کی جوع البقر کا نتیجہ ہے۔ یعنی خرابی کی اصل اور جڑ اسراف ہے یہ اسراف جب مزاج اور طبیعت کا جزو بن جائے تو ساری زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے۔

اگر انسان زیادہ سونے ' زیادہ کھانے ' زیادہ کمانے اور مستقبل کی زیادہ فکر جیسی مضر عادتوں سے اجتناب کرے تو بیمار ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں کیوں کہ یہی اسباب انسان کی قوتِ حیات کو کمزور کرتے ہیں جس سے امراض آدبوچتے ہیں۔

تمام احکاماتِ الٰہی ' ارشاداتِ نبویؐ اور فرمودات حکماء و علماء نیز "خوردن برائے زیستن نہ کہ زیستن برائے خوردن" کے حکیمانہ قول کے برعکس لوگ اس خود ساختہ اصول پر عمل پیرا ہیں کہ "انسان کھانے کے لیے ہی دنیا میں آیا ہے"۔ بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو محتاط انداز میں اور صرف اتنا کھاتے ہیں کہ زندہ رہ سکیں۔

تندرستی ایک ایسی کیفیت ہے جس کو طبی اصطلاح میں صحت کہتے ہیں اور جس کی تعریف عالمی ادارہ صحت نے ان الفاظ میں کی ہے "صحت جسمانی ' ذہنی اور سماجی حیثیت سے مکمل خوش حالی کا نام ہے نہ کہ محض بیماری اور کمزوری کے عدم وجود کا"۔ تندرستی یا صحت کی یہ تعریف بہت جامع ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر کسی شخص کی کیفیت اس تعریف کے مطابق نہ ہو تو وہ صحت مند یا تندرست نہیں ہے۔

غذا ہمارے لیے ایندھن کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ جسم میں جل کر توانائی یا حرارے فراہم کرتی ہے۔ ہر فرد کی عمر ' جسمانی ساخت اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے صحت برقرار رکھنے کے لیے درکار حراروں کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ ایک سال سے کم عمر کے بچے کو روزانہ ۴۵ حرارے فی پونڈ جسمانی وزن کے حساب سے درکار ہوتے ہیں۔ تین سال کی عمر میں یہ ضرورت گھٹ کر ۴۰ حرارے فی پونڈ رہ جاتی ہے ' چودہ سال کی عمر میں روزانہ اوسط ضرورت ۲۴ حرارے فی پونڈ ' بالغ انسان کو ۱۶ حرارے فی پونڈ اور مستقل طور پر بستر پر دراز شخص کو ۱۱ حرارے فی پونڈ درکار ہوتے ہیں۔ جسمانی محنت و مشقت کا کام کرنے والے شخص کو ہر روز ۲۰ سے ۳۰ حرارے فی پونڈ درکار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی غذا لے رہا ہے جو درکار حراروں سے زائد فراہم کرنے کی اہلیت رکھتی ہو تو وہ زائد از ضرورت حرارے استعمال میں نہیں آتے بلکہ فربہی کا

سبب بنتے ہیں ۔ فربہ اشخاص کیوں کہ کم متحرک ہوتے ہیں لہٰذا انہیں درکار حراروں کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے لہٰذا انہیں چاہیے کہ درکار غذا سے کم کھایا کریں تاکہ انہیں غذا سے درکار حراروں سے کم مقدار میں حرارے فراہم ہوں ۔ اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے جسم کے اندر محفوظ زائد از ضرورت غذائیں تحلیل ہو کر درکار حراروں کی اس کمی کو پورا کریں ۔ جس سے فربہی میں کمی ہو گی اور جسم صحت مند اور توانا و چاق چوبند ہو جائے گا ۔ اگر ایک شخص تندرست و چاق چوبند ہے تو اسے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لیے متوازن غذا بس اتنی ہی مقدار میں لینا چاہیے جسے معدہ اچھی طرح ہضم کر سکے اور جزو بدن بنا سکے ۔ اگر جسم فربہ ہے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ تقلیلِ غذا کرے ۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار تقلیلِ غذا کرنا کوئی نقصان دہ بات نہیں ہے بلکہ اطباء نے اس کی اتنی ہی اہمیت بتائی ہے جتنی کھانے کی بتائی ہے ۔ قرآن کریم میں مخصوص شرائط کے ساتھ غذا سے اجتناب کے لیے "صوم" کی اصطلاح آتی ہے جس کے معنی ہیں "رک جانا" ۔ ارکانِ اسلام میں تیسرا اہم ترین رکن روزہ ہے ' جس کا سب سے بڑا مقصد تو رضائے الٰہی کا حصول ہے' طبی اور جسمانی فائدہ اس کے علاوہ ہے ۔ دن بھر کی بھوک پیاس کے بعد معدہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور افطار کے ذریعے مادی لذتوں سے لطف اندوز ہو کر کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل ہو جاتی ہے ' بشرطیکہ افطار اور رات کے کھانے میں لی جانے والی غذا مناسب ' زود ہضم اور متوازن ہو۔

دنیا میں کم کھانے یا فاقہ کرنے سے اتنے لوگ نہیں مرتے جتنے بسیار خوری کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ اعداد و شمار سے ثابت ہو رہا ہے کہ بسیار خوری اور فربہی مہلک ہے ۔ بچے بھی اگر فربہ ہیں تو کھیل کود میں حصہ نہیں لے سکتے جس سے ان کی ذہنی صلاحیت اور کارکردگی ماند پڑ جاتی ہے ۔ کھانے پینے میں عدم توازن اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی فربہی کی ہلاکت خیزی کا علم سب کو ہے ۔ علم دین اور علم بدن دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ تقلیل غذا اور قناعت و سادگی ہی سلامتی کی ضمانت ہیں ۔ روزہ ان کی تحصیل کا ایسا ذریعہ ہے جس کی اہمیت تمام آسمانی مذاہب میں ہمیشہ موجود رہی ہے اور جسے ہر دور میں طب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

رسائل و مسائل

سفر میں روزہ

مرض اور سفر کے سلسلے میں قرآن کی آیت کے الفاظ مطلق ہیں ' ان میں قید اور تحدید نہیں ہے ۔ کوئی بھی مرض اور کوئی بھی سفر ہو ' اس میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے ۔ بس شرط یہ ہے کہ مریض صحت پانے پر اور مسافر مقیم ہونے پر روزے ادا کرے ۔ اس مطلق آیت کا یہی مفہوم زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ' اور یہی تنگی اور مشقت سے بچانے کے اسلامی مقصد سے زیادہ قریب ہے ۔ یہ حکم مرض کی شدت یا سفر کی مشقت سے نہیں ' مطلق مرض اور سفر سے متعلق ہے ' تاکہ لوگوں کو سہولت ہو اور وہ دشواری میں نہ پڑیں۔ مرض اور سفر کے سلسلے میں بعض ایسی باتیں ملحوظ ہو سکتی ہیں جنھیں اللہ جانتا ہے ' انسان نہیں جانتا۔ سفر اور مرض میں کچھ ایسی مشقتیں ہو سکتی ہیں جو بظاہر یا انسانی اندازے سے معلوم نہ ہوتی ہوں۔ جب تک اللہ کسی حکمت کو بیان نہ کرے ' ہم اس کی تاویل نہیں کریں گے اور نصوص کی پیروی کریں گے ' خواہ ان کی حکمت ہم پر مخفی رہے۔ یہ قطعی بات ہے کہ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ہے ' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں اس کا علم ہو ۔

یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس رائے کو بیان کیا جائے تو رخصتوں کے متلاشی رخصتوں کے پیچھے دوڑ پڑیں گے ' اور معمولی معمولی باتوں کے بہانے فرض عبادات ترک کر دی جائیں گی ——— اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس معاملہ میں شدت برتی اور شرطیں عائد کی ہیں ۔ لیکن میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ نصِ قرآنی نے جس حکم کو مطلق اور عام رکھا ہے ' اسے اس اندیشے سے مقیّد اور خاص کر دیا جائے ۔ دین لوگوں کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر خدا کی اطاعت کی طرف نہیں لاتا ۔ وہ تقویٰ اور خوفِ خدا سے اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ اور اس روزہ کی

تو غایت خصوصیت سے تقویٰ ہی ہے۔ جو شخص کسی رخصت کی آڑ لے کر فریضہ کی ادائیگی سے کتراتا ہے' اس میں شروع ہی سے کوئی خیر نہیں ہے۔ اس میں اس فریضہ کی ادائیگی کی اولین غایت' تقویٰ کا وجود نہیں ہے۔ یہ دین انسانوں کا نہیں' خدا کا دین ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس نے کس طرح رخصتوں کے مواقع اور شدت کے مواقع کو ملا کو اس دین کو ایک وحدت کی شکل دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی موقع پر رخصت کے پیچھے کوئی مصلحت ہو سکتی ہے جو اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگ اللہ کی بخشی ہوئی رخصتوں کو قبول کریں۔

اگر کسی دور میں لوگ بگڑ جائیں تو ان کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ احکام میں شدت پیدا کر دی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی اور ان کے دلوں کی اصلاح اور ان کی اچھی تربیت کی جائے۔ ان کے باطن میں تقویٰ کا شعور زندہ و بیدار کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ لوگ بگڑ جائیں تو ان کے بگاڑ کے علاج اور سدِّباب ذریعہ کے طور پر معاملات میں شدت برتی جا سکتی ہے۔ لیکن عبادات کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ عبادت خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔ عبادات سے بندوں کے مصالح کا ---- جن میں ظاہری حالات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے ---- براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ عبادات میں اس ظاہر کی' جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو' کوئی قیمت نہیں۔ تقویٰ موجود ہو تو کوئی شخص راہِ فرار اختیار نہ کرے گا۔ وہ رخصتوں سے اسی وقت فائدہ اٹھائے گا جب کہ اس کا دل مطمئن ہو' وہ دیکھے کہ یہی صورت اولیٰ ہے' اور وہ محسوس کر رہا ہو کہ جس صورتِ حال سے وہ دوچار ہے اس میں خدا کی اطاعت اس میں ہے کہ اس رخصت کو اختیار کیا جائے۔ عبادات کے احکام میں شدت پیدا کرنا' اور جن رخصتوں کو نصوص نے مطلق اور بلا قید رکھا ہے ان میں تنگی پیدا کرنا' بعض لوگوں کے لیے تنگی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے' جب کہ راہ فرار اختیار کرنے والوں کو درست کرنے کے لیے یہ عمل بہت زیادہ سود مند نہیں ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ ہم امور کو اس شکل میں اختیار کریں جس شکل میں اللہ انھیں چاہتا ہے۔ اس کے دین میں جو رخصتیں ہیں اور جن معاملات میں عزیمت کی راہ اختیار کرنی ہے' ان دونوں میں جو دور و قریب کی مصلحتیں مضمر ہیں' اللہ انھیں ہم سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ہم سے زیادہ صاحبِ حکمت و دانش ہے۔ یہ ہے اس معاملہ میں خلاصۂ کلام!

سفر کے متعدد اور مختلف حالات میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلے میں جو سنّتِ رسولؐ

مروی ہے' اس میں سے کچھ کو ہم یہاں درج کریں گے۔ ان میں بعض احادیث میں روزہ نہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے' اور بعض احادیث میں روزے کی ممانعت کا ذکر نہیں ہے۔ مجموعی طور پر یہ احادیث اس تصور کی تائید کرتی ہیں جس پر سلف صالح دینی امور کے سلسلے میں تھے' قبل اس کے کہ فقہائے متاخرین کے ہاتھوں احکام فقہی پیچیدگیوں کی شکل اختیار کرلیں۔ ان اسلاف ---- رضوان اللہ علیہم ---- کی روش میں زیادہ زندگی ہے' اور وہ اس دین کی روح اور اس کی فطرت سے فقہی بحثوں کے مقابلے میں زیادہ قریب ہے۔ اس روش کے ساتھ اور اس کی فضا میں زندگی گزارنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلب میں اس عقیدے اور اس کی خصوصیات کے سلسلے میں زندہ ذوق پیدا ہو جاتا ہے!

"جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینے میں سفر پر نکلے' یہاں تک کہ آپؐ "کراع الغمیم" پہنچے۔ آپؐ بھی روزے سے تھے اور لوگوں کا بھی روزہ تھا۔ آپؐ نے پانی سے بھرا پیالہ منگایا' اسے اتنا بلند کیا کہ لوگ اسے دیکھ لیں' اور پانی پی لیا۔ اس کے بعد آپؐ کو بتایا گیا کہ (آپؐ کے روزہ افطار کرنے کے باوجود) کچھ لوگ روزہ سے رہے۔ آپؐ نے فرمایا' یہ لوگ نافرمان ہیں' یہ لوگ نافرمان ہیں!" (مسلم' ترمذی)

"انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا' ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے کچھ لوگ روزے سے تھے' اور کچھ بے روزہ تھے۔ ایک شدید گرمی کے دن ہم ایک منزل پر اترے۔ ہم میں سے سب سے زیادہ سایہ اس شخص کو حاصل تھا جس کے پاس چادر تھی۔ ہم میں وہ لوگ بھی تھے جو اپنے ہاتھ کی آڑ کر کے دھوپ سے اپنا بچاؤ کر رہے تھے۔ تو روزے دار زمین پر گر پڑے' اور جن کا روزہ نہ تھا وہ اٹھے' انہوں نے خیمے لگائے اور سواری کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لے گئے! (بخاری و مسلم' نسائی)

"جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور اس پر سایہ کیا ہوا ہے۔ آپؐ نے دریافت کیا اسے کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا یہ روزے سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے!" (مالک' بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

"عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے کہا' میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس ایک سفر سے آیا۔ آپؐ نے فرمایا ' اے ابا امیہ ! صبح کے کھانے کا انتظار کرو۔ میں نے کہا ' اے اللہ کے رسولؐ ! میں روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ' میں تمہیں مسافر کے بارے میں (شریعت کا حکم) بتاتا ہوں' اللہ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز ساقط کر دی ہے۔" (نسائی)

"انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ' اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز کم کر دی ہے ' اور اسے روزہ نہ رکھنے کی رخصت عطا کی ہے ' اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی یہ رخصت دی ہے جب کہ انھیں (روزہ رکھنے سے) اپنے بچوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو" ! (اصحاب السنن)

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ' انہوں نے فرمایا ' حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا ' (اور وہ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے)' تو آپؐ نے فرمایا ' تم چاہو تو روزہ رکھو ' اور چاہو تو روزہ نہ رکھو۔" (مالک ' بخاری ' مسلم ' ابوداؤد ' ترمذی ' نسائی)

"انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ' انہوں نے فرمایا ' ہم (سفر میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے کچھ روزے سے تھے ' اور کچھ نے روزہ نہ رکھا تھا۔ لیکن نہ روزہ دار ' بے روزہ دار پر اعتراض کرتا ' اور نہ بے روزہ دار ' روزہ دار پر اعتراض کرتا تھا۔ (مالک ' بخاری ' مسلم ' ابوداؤد)

"ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ' انہوں نے کہا ' ہم رمضان میں شدید گرمی کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر پر نکلے)۔ ہم لوگ گرمی کی شدت سے سر پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ہم میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے ' اور کسی کا روزہ نہ تھا۔" (بخاری ' مسلم ' ابوداؤد)

"محمد بن کعب سے مروی ہے ' انہوں نے کہا ' میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان کے مہینہ میں آیا۔ وہ سفر پر جا رہے تھے ' ان کی سواری تیار کر دی گئی تھی اور انہوں نے اپنے سفر کے کپڑے پہن لیے تھے۔ اس وقت انہوں نے کھانا منگا کر کھایا۔ میں نے ان سے پوچھا ' کیا یہ سنت ہے ؟ انہوں نے فرمایا ' ہاں۔ پھر وہ سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔" (ترمذی)

"عبید بن جبیر سے مروی ہے ' انہوں نے کہا ' میں نے ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک کشتی میں فسطاط سے رمضان کے مہینے میں سفر کیا ' جب وہ روانہ ہوئے تو انہوں نے

صبح کا کھانا اپنے آگے رکھا اور مجھ سے کہا ' پاس آجاؤ ۔ میں نے کہا ' کیا آپ (فسطاط کے) گھروں کو نہیں دیکھ رہے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا ' کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے روگردانی کرتے ہو ؟ تو انہوں نے کھانا کھایا اور میں نے بھی کھایا"۔ (ابوداؤد)

"منصور کلبی سے مروی ہے کہ دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ دمشق کے ایک گاؤں سے اتنی دور کے سفر پر نکلے جتنا کہ عقبہ کی بستی فسطاط سے دور ہے ' اور وہ تین میل ہے ۔ یہ سفر رمضان کے مہینہ میں تھا ۔ انہوں نے روزہ نہ رکھا ' اور ان کے ساتھ بہت سے لوگوں نے روزہ نہ رکھا ۔ کچھ دوسرے لوگوں نے روزہ نہ رکھنے کو ناپسند کیا ۔ جب وہ اپنی بستی میں واپس آئے تو انہوں نے فرمایا ' خدا کی قسم ! آج میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جس کے بارے میں مجھے گمان نہ تھا کہ میں اسے دیکھوں گا ۔ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی روش سے روگرداں ہو گئے ۔ اے اللہ ! مجھے اپنے پاس بلا لے !" (ابوداؤد)

ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت قبول کی جائے ' اس سلسلے میں نرمی اور سہولت کی روش اختیار کی جائے ' اور راجح یہی ہے کہ اس رخصت پر عمل کیا جائے ۔ اس پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی شخص مشقت سے دوچار ہو ' جیسا کہ آخری دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ آٹھویں حدیث سے ' جو حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے ' یہ واضح ہوتا ہے کہ مشقت کی صورت میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد اللہ بن رواحہؓ روزے سے رہے (جب کہ اور لوگوں کا روزہ نہ تھا) ۔ مگر یہ عبادات کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص رویہ تھا ' جس سے آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو بری الذمہ کر دیا تھا ۔ جس طرح کہ آپؐ نے لوگوں کو "صومِ وصال" رکھنے سے روکا تھا مگر آپؐ خود کبھی کبھی "صومِ وصال" رکھتے ' یعنی افطار کیے بغیر ایک روزے کو دوسرے روزے سے ملا دیتے ۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں ' تو آپؐ نے فرمایا ' میں تمھاری طرح نہیں ہوں ' میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا رہتا ہے ۔ (بخاری ' مسلم) ۔ پہلی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے (سفر کی حالت میں) روزہ نہ رکھا ' اور جن لوگوں نے روزہ رکھا ' آپ نے ان کے بارے میں فرمایا ' وہ نافرمان ہیں! وہ نافرمان ہیں ! یہ حدیث فتح مکہ کے سال کی ہے ' اس لیے یہ دوسری حدیثوں کے مقابلہ میں بعد کے دور کی ہے ' اور اس سلسلے میں پسندیدہ اور بہتر روش کیا ہے ' اس پر زیادہ روشنی ڈالنے والی ہے ۔

ان حالات سے مجموعی طور پر جو صورت ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دورِ نبویؐ میں

واقعات و حالات کی رعایت کی جاتی تھی' اور ان کا لحاظ کر کے ایک مخصوص اور متعین ہدایت دی جاتی۔ اسی لیے ان احادیث میں جو کسی ایک ہی عام موضوع سے متعلق مروی ہیں،ہم مختلف اور متنوع ہدایات پاتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربی تھے' آپؐ (مجرد احکام سنانے کے بجائے) لوگوں کی (حسبِ حال) تربیت فرماتے' اور جیتے جاگتے حالات کا سامنا کرتے۔ آپؐ ان (مختلف) حالات کا سامنا جامد احکام سے نہ کرتے۔

مرض کے سلسلے میں کوئی تفصیل نہ مل سکی۔ ہاں' فقہاء کے اقوال موجود ہیں ۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حکم مطلق ہے' اور ہر اس حالت سے متعلق ہے جس پر "مرض" کا اطلاق ہوتا ہو۔ مرض کی نوعیت یا اس کے درجہ و مقدار کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے' نہ یہ شرط ہے کہ مرض کی شدت کا خوف ہو۔ البتہ روزہ رکھنے کی صورت میں ہر روزے کے بدلے میں ایک روزے کی قضا واجب ہے' اور راجح یہ ہے کہ قضا کے روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تفصیل میں جانے سے میرا مقصد فقہی اختلافات کی بحثوں میں پڑنا نہیں ہے' عبادات کے سلسلے میں ایک اصولی قاعدے کو بیان کرنا ہے۔ نیز شعوری کیفیت پیدا کرنے سے ان عبادات کے محکم ربط کو واضح کرنا ہے ۔ مقصد کے شعور کی یہ کیفیت عبادت گزار کے رویہ' زندگی پر فیصلہ کن اثرات ڈالتی ہے' نیز اس کے قلب و ضمیر کی تربیت' اس کی عبادات کی بہترین ادائیگی' اور زندگی میں اس کی روش کی عمدگی و خوبی کے لیے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے قابل اعتماد ذریعہ ہے ۔ یہ ایک پہلو ہے ۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم اس دین کو' اس کے تمام احکام کے ساتھ' اطاعت و تقویٰ کے جذبات کے تحت' اس طرح اپنائیں جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ۔ اس دین کو ہم "من حیث المجموع" اس کی رخصتوں اور عزیمتوں کے ساتھ' ایک متوازن اور ہم آہنگ کُل کی حیثیت میں' اس طرح اختیار کریں کہ ہمیں اللہ (کے قانون) کے بارے میں طمانیت قلب' اس کی حکمت پر یقین اور اس کے تقویٰ کا شعور ہو۔

(ماخوذ سید قطب شہیدؒ' فی ظلال القرآن' جلد اوّل)

انسان کی صلاحیتِ کار پر روزے کا اثر

اس زمانہ میں جو لوگ مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفہ زندگی سے متاثر ہیں' وہ روزے کے

خلاف یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اس سے انسان کی صلاحیتِ کار اور اس کی قوتِ کارکردگی بہت کم ہو جاتی ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اعتراض کرنے والے دو بنیادی حقیقتیں نظرانداز کر دیتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں جو کچھ قدر و قیمت ہے وہ محض اس کے مادی وجود کی ہے۔ اس کے روحانی وجود کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ایک فربہ بیل زیادہ ہل چلا سکتا ہے' اسی طرح ایک آسودہ اور پیٹ بھرا آدمی زیادہ کام کر سکتا ہے۔ یہ لوگ سیدنا مسیحؑ کی اس حکمت سے بالکل ناآشنا ہیں کہ "آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔" اسی طرح یہ لوگ اس حقیقت سے بھی بالکل بے بہرہ ہیں جس کی طرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا' انی ابیت 'لِیَ مُطْعِمٌ یطعمنی وساق یسقینی (میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے)۔

انسان اگر صرف گوشت پوست کا مجموعہ ہے تب تو بلاشبہ ان معترضین کے اعتراض کے اندر کچھ وزن ہے۔ لیکن اگر انسان کے اندر روح نامی کوئی شے بھی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی تازگی و توانائی کے لیے بھی کوئی غذا اور تدبیر ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کیا یہی دودھ مکھن' جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے' اس کے لیے بھی کافی ہیں' یا اس کے لیے کسی اور تدبیر و غذا کی ضرورت ہے؟ مذہب اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ انسان کے اندر روح کا جوہر ارضی نہیں بلکہ آسمانی اور خدائی ہے' اس وجہ سے اس کی غذا اس زمین سے نہیں' بلکہ خدا کے تعلق و توصل اور اس کے کلام و الہام سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا تعلق خدا سے قریب تر اور قوی تر اس وقت ہوتا ہے جب یہ جسم کے (جو اس کے لیے صرف ایک مرکب کی حیثیت رکھتا ہے) تقاضوں' اس کی خواہشات اور اس کے جذبات و میلانات سے فی الجملہ آزاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ انہی سفلی پابندیوں میں گرفتار رہتی ہے' اس وقت تک یہ ان بلندیوں میں پرواز نہیں کر سکتی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کی اصلی جولانگاہ ہیں' اور جن میں پرواز کرنے ہی سے اس کے وہ شاہینی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں۔

روزہ روح کو یہ آزادی دلانے کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔ اس سے انسان کے نفس کی جو تربیت ہوتی ہے اس کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ روح پر خواہشات و شہوات کا

غلبہ کمزور ہو جاتا ہے، انسان کی قوتِ ضبط اور اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے، اور اس طرح اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ، بجائے اس کے کہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خواہشوں کے پیچھے پیچھے چلے وہ ایک صاحبِ عزم و ایمان کی طرح اپنی خواہشات و جذبات کو اپنے رب کی رضا اور اس کے احکام کے پیچھے لگا دیتا ہے۔

غور کیجئے تو یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گی کہ انسان کے اندر قوت اور طاقت کا اصلی خزانہ اس کے جسم کے اندر نہیں بلکہ اس کے دل اور اس کی روح کے اندر ہے۔ اگر دل کمزور اور روح پراگندہ ہو تو نہایت راحت و تنعم میں پلے ہوئے جسموں کا حال یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ لکڑی کے کندے ہیں جن کو خوبصورت پوشاک پہنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے خوف و بزدلی کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی خطرہ نمودار ہو، ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں کہ ہو نہ ہو یہ بجلی ہمارے خرمن پر گرنے والی ہے۔ برعکس اس کے جن کی روح بیدار، جن کے دل پر عزم اور جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، وہ نانِ جویں پر گزارہ کر کے بھی بازوئے حیدرؓ کے کارنامے دکھاتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں)۔ اور اسی چیز کی طرف شاعر نے بھی اشارہ کیا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دوسری حقیقت جس سے یہ معترضین غفلت برت رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے وقتی اثرات و نتائج سے نہیں لگایا جاتا ہے، بلکہ اس مستقل اور پائیدار اثر سے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے جو زندگی پر اس کا پڑتا ہے یا متوقع ہوتا ہے، بشرطیکہ صحیح طور پر اس کو برتا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دوا تقویتِ قلب و دماغ کے لیے نہایت مفید و مجرب ہو، اس کے اثرات نہایت پائیدار مترتب ہوتے ہوں، لیکن فوری طور پر اس کا ردِّ عمل سستی یا اعضا شکنی یا خمار کی صورت میں نمایاں ہوتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس دوا کے اس فوری اثر کو دلیل قرار دے کر اس کو ایک مضر یا بے قیمت دوا قرار دے دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

ٹھیک یہی حال روزے کا ہے، اس کا فوری اثر ــــــ خاص طور پر خام اور نو مشق لوگوں

پر ــــــ تو ضرور کسل اور اضمحلال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جس سے وقتی طور پر ان کی صلاحیتِ کار بھی متاثر ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنے کی چیز اس کا یہ وقتی اثر نہیں ہے، بلکہ وہ پائیدار اثر ہے جو انسان کے ظاہر و باطن پر (بشرطیکہ اس کو ٹھیک برتا جائے) اس کا مترتب ہوتا ہے۔

روزے کے لیے عربی میں صوم کا لفظ ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق (سے معلوم ہوتا ہے) کہ ابتداء یہ لفظ ان گھوڑوں کے لیے استعمال ہوا جن کو جوانی پر آنے کے بعد، جنگ کے لیے تیار کیا جاتا، اور اس تیاری کے لیے بتدریج ان کا چارہ اور دانہ کم کیا جاتا تاکہ ان کا بدن بھاگ دوڑ کے لیے سبک نکل آئے، اور وہ میدان جنگ کی سختیوں اور بھوک پیاس کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے اچھی طرح قابل ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ گھوڑوں پر یہ عمل اس لیے نہیں کیا جاتا تھا کہ اس سے ان کی قوتِ کارکردگی کم ہو جائے، بلکہ مقصود اس سے ان کی قوتِ کارکردگی کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا ہوتا تھا، تاکہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کے لیے پوری طرح کار آمد ہو جائیں۔ ایک پلے ہوئے گھوڑے پر اگرچہ اس ٹریننگ کا فوری اثر اچھا نہیں پڑتا، وہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے، لیکن ٹریننگ دینے والے اس کے اس پائیدار اثر کو نگاہ میں رکھتے ہیں جو گھوڑے کو ہر سختی و نرمی کے برداشت کے قابل بنا دیتا ہے، اور جس سے وہ تھان پر بندھے ہوئے ایک پُرخور جانور کے بجائے میدان جنگ کا ایک سخت کوش اور جاں باز سپاہی بن جاتا ہے۔

یہی صوم (روزہ) ہے جو مذہب نے انسانوں کی ظاہری و باطنی تربیت کے لیے تجویز فرمایا ہے، اور مقصود اس سے ان کی صلاحیت کار کو ضعیف کرنا نہیں ہے بلکہ اس صلاحیتِ کار کو صبر اور تقویٰ کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ مستحکم کر دینا ہے، تاکہ انسان حق کی مخالف طاقتوں کے مقابل میں، خواہ یہ طاقتیں شیطانی ہوں یا انسانی، جہاد کا اہل ہو سکے، قرآن اور حدیث پر نگاہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ روزے کے بنیادی مقصد دو بیان کیے گئے ہیں۔ تقویٰ اور صبر۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر قسم کے حالات میں اپنے نفس کو حدودِ الٰہی کا پابند رکھے۔ صبر یہ ہے کہ اس راہ میں خارج سے یا اس کے اپنے باطن سے جو مشکلات و موانع بھی سر اٹھائیں ان کا پورے عزم و جزم کے ساتھ مقابلہ کرے اور ان کے آگے سپر انداز نہ ہو۔ یہ جہاد زندگی بھر کا جہاد ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ہر مسلمان اسی جہاد کی ٹریننگ حاصل

باقی بر صفحہ ۵۵

REGD. NO. L 5340 PHONE: 234014 236665

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی معرکۃ الآرا تفسیر:

تفہیم القرآن

(مکمل)

زیورِ طبع سے
آراستہ ہوکر
آگئی ہے!

• جلد اوّل	(سورۃ الفاتحہ	تا	سورۃ الانعام)	ہدیہ ۱۳۸/- روپے
• جلد دوم	(سورۃ الاعراف	تا	سورۃ بنی اسرائیل)	″ ۱۴۸/- ″
• جلد سوم	(سورۃ الکہف	تا	سورۃ الروم)	″ ۱۶۲/- ″
• جلد چہارم	(سورۃ لقمان	تا	سورۃ الاحقاف)	″ ۱۴۴/- ″
• جلد پنجم	(سورۃ محمد	تا	سورۃ الطلاق)	″ ۱۳۸/- ″
• جلد ششم	(سورۃ التحریم	تا	سورۃ الناس)	″ ۱۳۵/- ″

— کاغذ: فلانگ (۵۵ گرام) • طباعت: عکسی • جلد: دلکش یک رنگ
— کوٹڈ پلیٹوں کی چھپائی • آٹومیٹک مشین کی فولڈنگ اور سٹیچنگ (سلائی)
— امپورٹڈ گلو اور امپورٹڈ نائلن دھاگہ استعمال کیا گیا ہے۔

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فون: ۲۳۴۰۱۴-۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳